مکتبہ بیت السلام
MAKTABA BAITUL-SALAM

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ

اور

مغفرتِ یزید کی بشارت



شیخ ابوالفوزان کفایت اللہ سنابلی

مکتبہ بیت السلام
متوناتھ بھنجن یوپی الہند

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اوران کے بیٹے یزید بن معاویہ پر ظالموں اورسبائیوں نے بہت سے جھوٹے الزامات لگائے ہیں۔ہم نے ان تمام الزامات کی تر دید میں ایک مفصل کتاب ''یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ'' لکھی ہے جو فہارس سمیت تقریباً نوسو(۹۰۰)صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں ہم نے امیر یزید کے دفاع میں صرف اورصرف انہیں روایات سے حجت پکڑی ہے جو باسند ہوں اصول حدیث کے معیار پر صحیح یا حسن درجہ تک پہونچتی ہوں،بعض ضعیف تاریخی روایات جن کے مفہوم کی تائید دیگر صحیح روایات سے ہوتی ہے ان سے بھی ہم نے اس کتاب میں استدلال نہیں کیا ہے بلکہ ان کی طرف اشارہ کرکے یا وضاحتہً ذکر کر کے تفصیل کے لئے اپنی دوسری کتاب ''حادثۂ کربلا اور سبائی سازش'' کا حوالہ دیا ہے۔

دوسری طرف یزید کی مذمت میں ملنی والی جھوٹی اورمردود روایات کی حقیقت کو جرح وتعدیل کے اصولوں کی روشنی میں پوری تفصیل اوردلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔یہ امتیاز اس موضوع پر لکھی گئی شاید ہی کسی اور کتاب میں قارئین کونظر آئے۔

اسی کتاب میں ہم نے لشکر قسطنطنیہ میں یزید کی امارت پر تفصیلی بحث کی ہے۔اور صحیح روایات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا،اس کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔

اس پوری بحث کو بعض اضافوں کے ساتھ ''**قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اور مغفرت یزید کی**

بشارت‘‘ کے نام سے علیحدہ کتاب میں شائع کیا جارہا ہے۔

قارئین سے گذارش ہے کہ غیر جانبدار ہوکراس کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور ناچیز سے جہاں جہاں کوتاہی وچوک ہوئی ہے اس کی نشاندہی کریں۔ ہم تہہ دل سے شکرگذار ہوں گے اور پہلی فرصت میں اپنی اصلاح کریں گے۔ان شاءاللہ۔

ابو الفوزان کفایت اللہ سنابلی

یزید بن معاویہ کا دفاع کیوں؟

عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِیهِ رَدَّ اللَّهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ یَوْمَ القِیَامَةِ

صحابی رسول ابوالدرداء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جوشخص اپنے بھائی کی عزت سے اس چیز کو دور کرے گا جو اسے عیب دار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے جہنم کی آگ دور کردے گا۔ [سنن الترمذی ت شاکر :٣٢٧/٤ ، رقم ١٩٣١ والحدیث صحیح باتفاق العلماء]۔

اس حدیث میں اس بات کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے کہ کسی مسلمان بھائی کی عزت کا دفاع کیا جائے بلکہ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس عمل کو جہنم سے نجات کا ذریعہ بتایا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی عزت کا دفاع کرنا ایک مستحب اور بے حد پسندیدہ کام ہے اس حدیث پرعمل کرتے ہوئے اگر ایسی شخصیات کی عزتوں کا دفاع کیا جائے جو صاحب فضیلت ہوں تو اس عمل کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے مثلا اگر کسی صحابی کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے اور ان پر غلط اور جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں تو ایسے صحابی کی عزت کا دفاع کرنا بہت بڑی عبادت اور بہت بڑے اجروثواب کا باعث ہے۔

اسی طرح صحابہ کے بعد تابعین کی جماعت امت مسلمہ کی افضل ترین جماعت ہے اگر اس جماعت کے کسی فرد کی عزت پرحملہ کیا جائے اور اس پر جھوٹے الزامات لگائے جائیں تو ان کا دفاع کرنا بھی بہت بڑے ثواب کا کام اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

یزید بن معاویہ تابعین میں سے ہیں بلکہ صحابی رسول امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے

ہیں۔اوران پربھی جھوٹے،مکاراورسبائی درندوں نے بہت سارے الزامات لگائے ہیں اوران کی عزت پر بہت حملہ کیا ہے اس لئے ان کا دفاع کرنا بھی پیش کردہ حدیث پرعمل کرنے میں شامل ہے۔یادرہے کہ:

اللہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یزید بن معاویہ کی بخشش کی بشارت دی ہے [بخاری رقم ۲۹۲٤ نیز رقم ۱۱۸٦]۔ اس کی پوری تفصیل زیرنظر کتاب میں موجود ہے نیز دیکھئے: ہماری کتاب یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ:ص۵٦۲ تا ٦۳۳۔

صحابہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انہیں نیک اور صالح شخص کہا ہے[أنساب الأشراف للبلاذری، ط، دار الفکر: ۵/۳۰۲-۳۰۳، واسنادہ حسن لذاتہ]۔ اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ:ص٦۳۷ تا ٦۹۵۔

اسی طرح حسین رضی اللہ عنہ نے انہیں ''امیرالمؤمنین'' کہاہے[تاریخ الأمم والرسل والملولك للطبری:۲۹۹/۳ واسنادہ صحیح]۔ اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ:ص٦۹٦ تا ۷۱۲۔

تابعین میں محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے انہیں عبادت گذار، خیر کا متلاشی ،سنت کا پاسداراور علم دین کا شیدائی کہاہے [کتاب الحرۃ للمدائنی،بحوالہ مختصرتاریخ دمشق لابن عساکر: ۲۸/ ۲۷-۲۸،البدایۃ والنھایۃ:۲۳۳/۸ ،تاریخ الإسلام للذھبی ت تدمری:۲۷٤/۵ نقلا عن المدائنی واسنادہ صحیح]۔ اس کی سند پر تفصیلی بحث کے لئے دیکھئے: یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ:ص۷۱٤ تا ۷۳۵۔

اس کے برخلاف یزید کے مذمت میں جو باتیں کہی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی خیرالقرون کے حوالہ سے ثابت نہیں ہیں اورصدیوں بعد پیدا ہونے والے بعض اہل علم کی شاذ آراء اورغیر تحقیقی تبصرے بے دلیل ہونے کے سبب غیر مسموع ہیں۔دیکھئے: یزید بن معاویہ پرالزامات کا تحقیقی جائزہ:ص۷۷٦ تا ۸۳۹۔

معلوم ہوا کہ یزید بن معاویہ کی صرف خوبیاں ہی ثابت ہیں اس لئے ان پر بے دلیل لگائے گئے الزامات کا رد کرنا اور ان کی شخصیت کا دفاع کرنا مذکورہ حدیث کی روشنی میں بہت بڑے ثواب کا کام ہے اور جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ یزید کے بہانے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک پہنچ جاتے ہیں اور ان کی کردار کشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو دفاع یزید کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ایک طبقہ امیر یزید کی شخصیت کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کے لئے زینہ بناتا ہے اور ہمارے بھولے بھالے لوگ اس سازش کو بھانپ نہیں پاتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جو طبقہ عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک کی کھلے عام توہین کرتا ہے اس کی نظر میں ایک غیر صحابی یزید بن معاویہ کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے لیکن اس کے باوجود بھی آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ یزید کی مذمت کا از حد اہتمام کرتے ہیں اور اس پر بہت زیادہ توانائی صرف کرتے ہیں، اس کے پیچھے ان کا واحد مقصد یہی ہے کہ اس راہ سے اہل سنت بھی ان کے ہم سفر ہوجائیں گے۔ ورنہ اگر یزید کو بیچ سے الگ کر کے براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کردار کشی کی جائے تو کوئی بھی سنی مسلمان ان کا ساتھ نہیں دے گا۔

ایسی صورت میں ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اس سازش کو بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ یزید بن معاویہ کی اصل سیرت سے بھی لوگوں کو باخبر کریں۔

نیز امیر یزید جس دور سے تعلق رکھتے ہیں اس دور کو اللہ کے نبی ﷺ نے خیر القرون کہا ہے نیز یہ دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی دور ہے جن کا علم وفقہ فہم نصوص میں ہمارے لئے مرجع ہے، اب غور کریں یہ کتنی خوفناک بات ہے کہ جس دور کو خیر القرون کہا گیا جن کی فہم وفقاہت ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے ایسے دور کو یزید کے بہانے شر القرون ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ حد ہوگئی کہ مسلمانوں کے خلیفہ اور اسلامی فوج کو کفار سے بھی زیادہ ظالم اور بد کردار

بتلایا جاتا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ کردار اس دور کے مسلمانوں کا ہوسکتا ہے جس کے خیر کی شہادت زبان رسالت نے دی ہو؟ نیز کیا یہ دور ہمارے لئے فقہی مرجع کا دور ہوسکتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب ایک سازش ہے اور یزید کے بہانے ایک طبقہ ہمیں ہمارے اسلاف ہی سے بدظن کر کے ان کی فہم وفقاہت سے ہمیں محروم کرنا چاہتا ہے۔

ایسی صورت میں ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اصل حقائق سے لوگوں کو آگاہ کریں، اور قرون مشہود لہا بالخیر کی صحیح تاریخ پیش کریں۔

قسطنطنیہ پر پہلا حملہ اور مغفرت کی بشارت

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶) نے کہا:

حدثني إسحاق بن يزيد الدمشقي، حدثنا يحيى بن حمزة، قال: حدثني ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، أن عمير بن الأسود العنسي، حدثه -أنه أتى عبادة بن الصامت وهو نازل في ساحة حمص وهو في بناء له، ومعه أم حرام -قال: عمير، فحدثتنا أم حرام: أنها سمعت النبي صلى الله عليه وسلم، يقول: أول جيش من أمتي يغزون البحر قد أوجبوا، قالت أم حرام: قلت: يا رسول الله أنا فيهم؟ قال: أنت فيهم، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم: أول جيش من أمتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم، فقلت: أنا فيهم يا رسول الله؟ قال: لا.

عمیر بن اسود عنسی نے بیان کیا کہ وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ کا قیام ساحل حمص پر اپنے ہی ایک مکان میں تھا اور آپ کے ساتھ (آپ کی بیوی) ام حرام رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔عمیر نے بیان کیا کہ ہم سے ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو دریائی سفر کر کے جہاد کے لیے جائے گا، اس نے (اپنے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت) واجب کر لی۔ام حرام رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے کہا تھا یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں، تم بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔میں نے کہا میں بھی ان کے ساتھ ہوں گی یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔[صحیح البخاری :۔ کتاب

الجهاد والسير، باب ما قيل فی قتال الروم :رقم:٢٩٢٤]۔

بخاری کی اس حدیث میں یہ بشارت ہے کہ مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پرسب سے پہلے لشکرکشی کرنے والے سب مغفور (بخشے ہوئے) یعنی جنتی ہوں گے۔اوراس پہلے حملہ کے امیر یزید تھے یہ بھی بخاری ہی میں ہے، ملاحظہ ہو:

قال محمود بن الربيع: فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ في غزوته التي توفي فيها، ويزيد بن معاوية عليهم بأرض الروم.

محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔(ترجمہ داؤدراز) [صحيح البخاری:۔كتاب التهجد:باب صلاة النوافل جماعة،رقم: ١١٨٦]۔

بخاری کی اس روایت میں پوری صراحت ہے کہ لشکر کے امیر یزید بن معاویہ تھے،اور بخاری کی اسی روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ یہ لشکر ''ارض روم'' (سرزمین روم) میں جہاد کررہا تھااور اس سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے، کیونکہ بخاری کی یہی روایت بتلاتی ہے کہ ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ اس غزوہ میں فوت ہو گئے تھےاورابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات غزوہ قسطنطنیہ ہی کے دوران ہوئی ہے۔جیسا کہ بہت ساری صحیح روایات میں اس کی صراحت آئی ہے، مثلاً ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے:

فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية.

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، حتیٰ کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔[سنن أبي داود:۔١٣/٣ واسناده صحيح]۔

یہ روایت صاف بتلاتی ہے کہ جس آخری غزوہ میں ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ فوت

ہوئے وہ قسطنطنیہ کا غزوہ تھا۔اور بخاری کی درج بالا حدیث میں صراحت ہے کہ اس غزوہ کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ یزید بن معاویہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا جس میں ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے۔

اب اس سے پہلے قسطنطنیہ پر کسی بھی حملہ کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اس لئے بخاری وغیرہ کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ یزید بن معاویہ ہی کی امارت میں مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر سب سے پہلے حملہ ہوا۔

بعض لوگ کچھ غیر متعلق اور جھوٹی روایات پیش کر کے کہتے ہیں کہ قسطنطنیہ پر یزید کے حملے سے پہلے بھی حملہ ہوا۔ یہ ساری روایات ایک تو غیر متعلق ہیں نیز ان میں سے بیشتر غیر متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ من گھڑت اور جھوٹی ہیں جن کی بھرپور وضاحت آگے آرہی ہے۔حقیقت یہی ہے کہ یزید سے پہلے قسطنطنیہ پر کسی حملہ کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔

بخاری کی شرح کرنے والے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر پوری امت کا اتفاق نقل کیا ہے کہ یزید بن معاویہ ہی کی امارت میں سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ ہوا ملاحظہ ہو:

☆ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

فإنه كان أمير ذلك الجيش بالاتفاق.

یزید اس پہلے لشکر کا امیر تھا، اس پر سب کا اتفاق ہے۔[فتح الباری :۱۰۳/٦]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی روشنی میں اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ سب سے پہلے جس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اس کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔اس اجماع کے خلاف نہ تو کسی کا کوئی قول ثابت ہے اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی صحیح روایت موجود ہے۔

الغرض یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حدیث میں جس لشکر کو مغفور و بخشا ہوا کہا ہے یزید بن معایہ نہ صرف یہ کہ اس لشکر میں شریک تھے بلکہ اس لشکر کے امیر بھی تھے۔اس سے یزید بن

معاویہ کی زبردست فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ بہت سارے علماء نے یزید بن معاویہ کو اس حدیث کا مصداق بتلاتے ہوئے یزید کی فضیلت بیان کی ہے چنانچہ:

☆ امام مہلب بن احمد اسدی (۴۳۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”من هذالحديث ثبتت خلافة يزيدو فيه أنه من أهل الجنه،وفی هذا الحديث منقبة لمعاوية لأنه أول من غزا البحر و منقبة لولده يزيد لأنه أول من غزا مدينة قيصر“

اس حدیث سے یزید کی خلافت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ جنتی ہے نیز اس حدیث میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کیونکہ سب سے پہلے انہوں نے سمندری لڑائی لڑی اوران کے لڑکے یزید کے لئے بھی منقبت ہے کیونکہ یزید ہی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پرحملہ کیا۔[قيد الشريد:ص:٥٧، انظر ايضا فتح الباری لابن حجر:١٠٢/٦]۔

تنبیہ:

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ امام مہلب رحمہ اللہ کی وفات ۴۳۵ ہجری میں ہوئی ہے اور مذکورہ غزوہ ۵۲ ہجری میں ہوا تھا درمیان میں سے سلسلہ سند غائب ہے۔

عرض ہے کہ امام مہلب یہاں کسی روایت کے راوی نہیں ہیں بلکہ روایت کی شرح کررہے ہیں اور روایت دوسرے ذرائع سے ثابت شدہ ہے جیسا کہ اوپر وضاحت کی گئی اور مزید وضاحت آرہی ہے اس لئے یہاں پرشارح کی سند تلاش کرنا ہی مضحکہ خیز ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بخاری کی شرح کرتے ہوئے ایک روایت کی شرح میں دوسری روایت پیش کرتے ہیں۔اب کوئی یہ اعتراض کرے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے سند پیش نہیں کی ہے تو یہ سوائے مضحکہ خیزی کے اور کچھ نہیں ہے۔

واضح رہے کہ امام مہلب نے بھی بخاری کی شرح لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے

بخاری کی اپنی شرح میں امام مہلب کی شرح ہی سے ان کی بات نقل کی ہے۔

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (المتوفی:۷۲۸) نے کہا:

ولهذا كان الصحابة -رضى الله عنهم -يغزون مع يزيد وغيره، فإنه غزا القسطنطينية فى حياة أبيه معاوية -رضى الله عنه -وكان معهم فى الجيش أبو أيوب الأنصارى -رضى الله عنه -وذلك الجيش أول جيش غزا القسطنطينية. وفى صحيح البخارى عن ابن عمر -رضى الله عنهما، -عن النبى -صلى الله عليه وسلم -أنه قال:" أول جيش يغزو القسطنطينية مغفور لهم."

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید وغیرہ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ چنانچہ یزید نے اپنے والد معاویہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے ساتھ لشکر میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ پہلا لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور صحیح بخاری میں ابن عمر (صحیح ام حرام) رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔ [منهاج السنة النبوية:٤/٥٤٤]۔

☆ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

له على هناته حسنة، وهى غزو القسطنطينية، وكان أمير ذلك الجيش، وفيهم مثل أبى أيوب الأنصارى.

یزید کی کوتاہیوں کے باوجود اس کی ایک نیکی ہے اور وہ قسطنطنیہ پر حملہ ہے یزید اس لشکر کا امیر تھا اور اس لشکر میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جیسے لوگ تھے۔ [سير أعلام النبلاء للذهبى:٤/٣٦]۔

☆ امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی:۷۷۴) نے کہا:

وقد كان يزيد أول من غزى مدينة قسطنطينية فى سنةو تسع واربعين فى

قول يعقوب بن سفيان وقال خليفة بن خياط سنة خمسين ثم حج بالناس في تلك السنة بعد مرجعه من هذه الغزوة من أرض الروم وقد ثبت في الحديث أن رسول الله ﷺ قال أول جيش يغزو مدينة قيصر مغفور لهم.

یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ کے شہر پرحملہ کیا ۔ یہ حملہ یعقوب بن سفیان کے بقول۴۹ (!) میں ہوا اور خلیفہ خیاط کے بقول ۵۰ (!) میں ہوا۔ پھر اس حملہ سے لوٹنے کے بعد اسی سال لوگوں کا امیر بن کر اس نے حج کیا۔ اور صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پرحملہ کرے گا وہ سب کے سب مغفور (بخشے ہوئے) ہوں گے۔[البداية والنهاية، مكتبة المعارف:۲۲۹/۸]۔

☆ امام قسطلانی (المتوفی:۹۲۳) فرماتے ہیں:

وكان أول من غزا مدينة قيصر يزيد بن معاوية ومعه جماعة من سادات الصحابة كابن عمرو بن عباس وابن الزبير وأبي أيوب الأنصاري وتوفي بها سنة اثنتين وخمسين من الهجرة، واستدلّ به المهلب على ثبوت خلافة يزيد وأنه من أهل الجنة لدخوله في عموم قوله مغفور لهم.

مدینہ قیصر پر سب سے پہلے جس نے حملہ کیا وہ یزید بن معاویہ ہے اس کے ساتھ جلیل القدر صحابہ کی جماعت تھی جیسے عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم ۔ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ یہیں پر۵۲ ہجری میں فوت ہوئے ۔ اور اس حدیث سے مہلب نے یزید کی خلافت پر استدلال کیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں سے ہے۔[إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري :۱۰٤/۵]۔

☆ نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں:

استدل به على خلافة يزيد ، وانه من اهل الجنة.

اس حدیث سے یزید کی خلافت پر استدلال کیا گیا ہے اور اس بات پر کہ یزید اہل جنت میں

سے ہے۔[عون الباری لحال ادلة البخاری:۳۹۱/٤]۔

بعض لوگ کہتے ہیں یزید کو سب سے پہلے جنتی کہنے والے شخص محمود عباسی ہیں، مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں یہ بات غلط ہے کیونکہ محمود عباسی سے قبل بھی اہل علم نے یزید کے جنتی ہونی کی بات کہی ہے۔

شبہات کا ازالہ

بعض لوگ حدیث جیش مغفور سے متعلق چند شبہات پیش کر کے یہ کہنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس حدیث سے یزید کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی ، ہم نے ان تمام شبہات کا جائزہ لیا تو کل پانچ شبہات سامنے آئے:

☆ **الف:**- حدیث میں جس مدینہ قیصر کی بات ہے اس سے مراد قسطنطنیہ نہیں بلکہ حمص ہے، اوراس پر حملہ کرنے والوں میں یزید نہیں تھا۔

☆ **ب:**- اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اس حدیث میں مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ ہے تو بھی اس میں سب سے پہلے حملہ کرنے والے لشکر کی فضیلت ہے اور یزید کا قسطنطنیہ پر حملہ پہلا حملہ نہیں تھا بلکہ اس سے قبل بھی کئی حملے ہو چکے ہیں۔

☆ **ج:**- اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ یزید ہی نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا تو بھی اس میں صرف مغفرت کی بات ہے، اس سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ بہت سی احادیث میں مختلف اعمال کی انجام دہی پر مغفرت کا وعدہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ اعمال انجام دینے والے سب کے سب بخشے بخشائے ہو گئے۔

☆ **د:**- اگر یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ لشکر مغفور و بخشا ہوا ہوگا تو بھی اس فضیلت میں یزید داخل نہیں ہوگا کیونکہ وہ صحیح نیت سے اس لشکر میں شریک نہیں ہوا تھا بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً اسے اس میں شامل کیا تھا۔اور بغیر صحیح نیت کے کوئی عمل معتبر نہیں۔

☆ **و:**- اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ صحیح نیت سے ہی یزید اس لشکر میں شامل تھا تو بھی بشارت اس بات کے ساتھ مشروط ہوگی کہ بعد میں وہ غلط کام نہ کرے لیکن یزید نے بعد میں بہت سارے غلط کام کئے جس کے سبب وہ اس بشارت سے مستثنیٰ ہوگیا۔

اب بالترتیب ان شبہات کا ازالہ پیش خدمت ہے:

پہلا شبہہ: (مدینہ قیصر سے مراد قسطنطنیہ یا حمص)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے نقل کیا:

وجوز بعضهم أن المراد بمدينة قيصر المدينة التى كان بها يوم قال النبى صلى الله عليه وسلم تلك المقالة وهى حمص وكانت دار مملكته إذ ذاك.

بعض نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ شہر قیصر سے مراد وہ شہر ہوسکتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے وقت قیصر کا شہر تھا اور وہ حمص ہے، یہ اس وقت قیصر کا دارالمملکت تھا۔[فتح الباری لابن حجر :۱۰۳/۶]۔

عرض ہے کہ:

☆ **اولاً:-**

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کا نام لیا ہے لیکن اس کے شہر کا نام نہیں لیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا مقصود جغرافیائی لحاظ سے قیصر کے زیر تسلط کوئی مخصوص شہر نہیں بلکہ زمانہ کے لحاظ سے اس کا کوئی بھی دارالسلطنت ہے۔اب آپ کی زندگی میں قیصر کا دارالسلطنت کہاں تھا؟ بعد میں کہاں ہوا؟ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔کیونکہ ''مدینہ'' سے اصل مقصود کوئی مخصوص شہر نہیں بلکہ قیصر کا دارالمملکت ہے۔

اس لحاظ سے ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حمص قیصر کا شہر تھا اور بعد میں اس کا شہر بدل گیا ہو اور یہ بدلاؤ حمص کی فتح سے پہلے ہی ہوا یعنی فتح حمص کے وقت قیصر کا شہر قسطنطنیہ بن گیا ہو۔جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا جواب اس پر دلالت کرتا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ بلکہ اگلی روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قسطنطنیہ قیصر کا شہر بن چکا تھا۔

☆ **ثانیاً:-**

قیصر یہ ہرقل کا لقب ہے۔علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا:

قَیْصَر لقب هِرقل.

قیصر، یہ ہرقل کا لقب ہے۔[عمدة القاری شرح صحیح البخاری: ١٤/١٩٩]۔

اور ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے ”مدینہ قیصر“ ہی کے ہم معنی ”مدینہ ہرقل“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اسی حدیث میں یہ صراحت ہے کہ اس سے مراد قسطنطنیہ ہے چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

حدثنا يحيى بن إسحاق ، حدثنا يحيى بن أيوب ، حدثني أبو قبيل ، قال: كنا عند عبد الله بن عمرو بن العاص ، وسئل: أي المدينتين تفتح أولا : القسطنطينية أو رومية ؟ فدعا عبد الله بصندوق له حلق ، قال: فأخرج منه كتابا ، قال: فقال عبد الله: بينما نحن حول رسول الله صلى الله عليه وسلم نكتب ، إذ سئل رسول الله ﷺ: أي المدينتين تفتح أولا: قسطنطينية أو رومية ؟ فقال رسول الله ﷺ: مدينة هرقل تفتح أولا يعني قسطنطينية.

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: کون سا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ایک صندوق منگوایا جس کے ارد گرد حلقے لگے تھے، اس میں سے ایک کتاب نکالی اور کہا: ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر لکھ رہے تھے اسی دوران اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا شہر سب سے پہلے فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ؟ تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہرقل کا شہر یعنی قسطنطنیہ سب سے پہلے فتح ہوگا ۔[مسند أحمد ط الميمنية: ٢/١٧٦،واسناده صحيح]۔

علامہ احمد شاکر نے مسند احمد کی تحقیق میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے دیکھیں: [مسند أحمد ت شاكر : ٦/٢٠٢،رقم:٦٦٤٥]۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ دیکھیں:[سلسلة الأحاديث الصحيحة : ١/٣٣،رقم:٤]۔ امام حاکم نے بھی اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے دیکھیں:[المستدرك للحاكم مع تعليق الذهبي:

۵۹۸/٤]۔ حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن لذاتہ کہا ہے دیکھیں: [مؤطا بروایت بن القاسم مترجم :ص:۵۰ مقدمہ]۔

قیصر اور ہرقل یہ دونوں ایک ہی چیز ہے کیونکہ قیصر، ہرقل ہی کا لقب ہے اور اس حدیث میں مدینہ ہرقل سے مراد قسطنطنیہ کو بتلایا گیا ہے یہ نص صریح ہے کہ مدینہ قیصر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد قسطنطنیہ ہی ہے۔اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں قسطنطنیہ قیصر کا شہر بن چکا تھا۔

تنبیہ:

تاریخ المدینۃ لابن شبۃ میں ایک روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے شام کے لئے کسی نے مدینہ قیصر کہا۔دیکھئے:[تاریخ المدینة لابن شبة:۸۵٤/۳]۔

لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ’’علی بن زید بن جدعان‘‘ ہے یہ سخت ضعیف ہے۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳) نے کہا:

ضعیف فی کل شیء .

یہ ہر چیز میں ضعیف ہے۔[تاریخ ابن أبی خیشمة: ٤۹۱/۱ واسنادہ صحیح]۔

ابن معین کے علاوہ اور بھی بہت سارے محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور بعض نے سخت جرح کی ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب کے اقوال کا خلاصہ کرتے ہوئے اسے ضعیف کہا ہے۔[تقریب التھذیب لابن حجر: ٤۷۳٤]۔

ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ شیعہ بھی تھا چنانچہ:

امام أبوحاتم الرازی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۷) نے اس پر جرح کرنے کے ساتھ کہا:

کان یتشیع.

اس کے اندر شیعیت تھی۔[الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۱۸٦/٦]۔

بلکہ امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی:۳٦۵) نے کہا:

وكان يغالى فى التشيع.

یہ شیعیت میں غلو کرتا تھا۔[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۳٤٤/٦]۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت ثابت ہی نہیں۔

☆ **ثالثاً:-**

(سنن أبي داؤد:۱۲/۳،رقم:۲۵۱۲) میں اسلم،ابوعمران کی ایک روایت میں قسطنطنیہ کا ذکر ہے اور یہی روایت صحیح ابن حبان (۹/۱۱،رقم:۴۷۱۱) میں اسی سند سے ہے اور اس میں قسطنطنیہ کی جگہ مدینۃ الروم کے الفاظ ہیں۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے مدینۃ قیصر سے قسطنطنیہ ہی مراد ہے۔

ابوداؤد کی یہ روایت آگے آ رہی ہے۔ دیکھئے: ص ۴۵۔

☆ **رابعاً:-**

درج بالا اعتراض حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے فوراً بعد ہی اس کی تردید بھی کردی ہے چنانچہ کہا:

وهذا يندفع بأن فى الحديث أن الذين يغزون البحر قبل ذلك وأن أم حرام فيهم وحمص كانت قد فتحت قبل الغزوة التى كانت فيها أم حرام.

یہ اعتراض اس وجہ سے مردود قرار پاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں سمندری غزوہ کو جیش مغفور کے غزوہ سے قبل بتایا گیا اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ام حرام اس سمندری غزوہ میں موجود ہوں گی۔ اور حمص اس سمندری غزوہ سے پہلے ہی فتح ہوگیا تھا جس سمندری غزوہ میں ام حرام تھیں۔[فتح الباری لابن حجر:۱۰۳/٦]۔

ہم کہتے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ جواب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حمص جب فتح ہوا اس وقت وہ قیصر کا شہر نہیں تھا۔

دوسرا شبہہ : (قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کس کا)

❁ پہلی روایت: (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سولہ حملے):

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سیدنا معاویہ نے رومیوں کی زمین پر سولہ مرتبہ فوج کشی کی ہے ۔(البدایہ والنہایہ: ج۸،ص:۱۳۳)۔ [مقالات:ج:۱ص:۳۱۱الحدیث:٦ص:۸]۔

جواباً عرض ہے:

اولاً:-

سب سے پہلی بات تو یہ کہ حافظ موصوف نے اس روایت کی سند پیش نہیں کی اور نہ ہی اس کا درجہ بتانے کی زحمت گوارا کی ہے حالانکہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کی سند بھی پیش کی ہے ملاحظہ ہو:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفی:۷۷۴) نے کہا:

وقال أبو زرعة عن دحيم عن الوليد عن سعيد بن عبد العزيز قال لما قتل عثمان لم يكن للناس غازية تغزو حتى كان عام الجماعة فأغزوا معاوية أرض الروم ست عشرة غزوة تذهب سرية فى الصيف ويشتوا بأرض الروم ثم تقفل وتعقبها أخرى وكان فى جملة من أغزى ابنه يزيد ومعه خلق من الصحابة فجاز بهم الخليج وقاتلوا أهل القسطنطينية على بابها ثم قفل بهم راجعا إلى الشام.[البداية والنهاية :۱۳۳/۸]۔

نوٹ: اس روایت کا ترجمہ آگے آ رہا ہے۔ نیز دیکھیں: (البدایہ والنہایہ اردو ترجمہ ج:۸،ص

:۱۷۵)۔

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو امام ابوزرعہ کے حوالہ سے نقل کیا اور پوری سند بھی ذکر کردی ہے یہ روایت امام ابوزرعہ کی تاریخ میں اسی سند سے موجود ہے۔

آیئے ہم اصل کتاب سے یہ روایت سند ومتن کے ساتھ دیکھتے ہیں چنانچہ:

امام أبوزرعۃ الدمشقی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۸۱) نے کہا:

حدثنی عبد الرحمن بن إبراهيم عن الوليد بن مسلم عن سعيد بن عبد العزيز قال: لما قتل عثمان، واختلف الناس، لم تكن للناس غازية، ولا صائفة، حتى اجتمعت الأمة على معاوية سنة أربعين، وسموها سنة الجماعة. قال سعيد بن عبد العزيز: فأغزا معاوية الصوائف، وشتاهم بأرض الروم ست عشرة صائفة، تصيف بها وتشتو، ثم تقفل وتدخل معقبتها، ثم أغزاهم معاوية ابنه يزيد فی سنة خمس وخمسين فی جماعة من أصحاب رسول الله ﷺ فی البر والبحر حتى جاز بهم الخليج، وقاتلوا أهل القسطنطينية على بابها، ثم قفل.

سعید بن عبدالعزیز التنوخی کہتے ہیں کہ: جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور لوگوں میں اختلاف ہوگیا تو لوگوں کے پاس دشمن کے خلاف لڑنے کے لئے کوئی فوج تھی ہی نہیں یہاں تک کہ پوری امت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہوگئی اور لوگوں نے اس سال کو جماعت کا سال کہا۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ: پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوات شروع کئے، چنانچہ سرزمین روم پر سولہ لشکر بھیجے، ایک لشکر موسم گرما میں جاتا اور موسم سرما بھی گذارتا پھر واپس ہوتا، پھر اس کے بعد دوسرا لشکر اس مہم پر نکلتا۔ پھر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۵ھ(!) میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو ان کی طرف بحر وبر کے راستے سے بھیجا یہاں تک کہ یہ لشکر خلیج کو پار کرگیا اور قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ کر اہل قسطنطنیہ سے قتال کیا پھر واپس آ گیا۔

[تاريخ أبی زرعة الدمشقی: ص:۱۸۸]۔

قارئین یہ ہے اس روایت کی سند جسے نہ تو حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی حکم لگایا ہے۔ دراصل یہ سند صحیح ہے ہی نہیں اسی لئے اس سے نظر پوشی کی گئی ذیل میں ہم اس سند کی خرابی واضح کرتے ہیں۔

الف: اس روایت کو بیان کرنے والے ''سعید بن عبد العزیز التنوخی'' ہیں ان کی پیدائش امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے تقریباً تیس سال بعد ہوئی۔[سیر أعلام النبلاء للذهبي: ۳۲/۸]۔ لہٰذا یہ روایت مرسل و منقطع ہے۔

ب: سند میں ولید بن مسلم معروف ومشہور مدلس ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں چوتھے طبقہ کا مدلس کہا ہے، جن کی معنعن روایات بالاتفاق رد ہوتی ہیں دیکھئے:[طبقات المدلسين لابن حجر ت القريوتي:ص:۵۱]۔

نیز خود حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> امام دارقطنی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ولید بن مسلم تدلیس تسویہ کرتے تھے۔ ولید بن مسلم کو حافظ ابن حجر، العلائی، ابوزرعہ ابن العراقی، ذہبی، حلبی، مقدسی اور سیوطی وغیرہم نے مدلس قرار دیا ہے۔ دیکھئے: (الفتح المبین: ص:۳۷) اور ان کا کوئی مخالف مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا تدلیس ولید پر اجماع ہے۔[اضواء المصابيح (تحقيق مشكاة) : ص : ۲۷۸ ، رقم:۲۱۲، مجله الحديث : ۷۰ ص ۸]۔

غور کیا جائے کہ مذکورہ روایت میں ولید بن مسلم ہیں اور یہ عن سے روایت کرتے ہیں اور حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ خود ہی دوسرے مقام پر انہیں بالاجماع مدلس بتلاتے ہیں۔ پھر بھی موصوف نے یزید کی مخالفت میں اس عیب کو نظر انداز کر دیا۔

ثانیاً:-

اس روایت کے ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ، اس میں اس بات کی بھی دلیل نہیں ہے کہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے یہ سولہ حملے قسطنطنیہ پر تھے بلکہ اسی روایت میں پوری صراحت ہے کہ ان حملوں میں صرف اور صرف ایک ہی حملہ قسطنطنیہ پر ہوا تھا اور وہ وہی حملہ تھا جو یزید کی امارت میں ہوا تھا چنانچہ پوری روایت ترجمہ کے ساتھ ہم اوپر نقل کر چکے ہیں ۔ذرا پلٹ کر اس روایت میں دوبارہ غور کریں اس میں کہا جا رہا ہے کہ امیر معاویہ نے روم کی سرزمین پر کئی لشکر بھیجے اور اس کے بعد ہے کہ پھر ایک لشکر یزید کی امارت میں بھیجا یہ لشکر سرزمین روم میں اس قدر آگے بڑھا کہ قسطنطیہ تک پہنچ گیا چنانچہ روایت کے الفاظ ہیں:

ثم أغزاهم معاوية ابنه يزيد فی سنة خمس وخمسين فی جماعة من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فی البر والبحر حتی جاز بهم الخليج، وقاتلوا أهل القسطنطينية على بابها، ثم قفل.

پھر امیر معاویہ نے سن ۵۵ ہجری میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو ان کی طرف بحر وبر کے راستے سے بھیجا یہاں تک کہ یہ لشکر خلیج کو پار کر گیا اور قسطنطنیہ کے دروازے تک پہنچ کر اہل قسطنطنیہ سے قتال کیا پھر واپس آ گیا۔[تاریخ أبی زرعة الدمشقی: ص:۱۸۸]۔

روایت کے یہ آخری الفاظ صاف بتلاتے ہیں کہ لشکر یزید کے علاوہ ان لشکروں میں کوئی لشکر بھی قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکا۔لیکن جو لشکر یزید کی امارت میں آیا وہ اس قدر آگے بڑھا کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا اور قسطنطنیہ کے دروازے پر پہنچ کر اہل قسطنطنیہ سے قتال کیا۔

لیجئے جناب! خود اس روایت سے بھی ثابت ہو گیا کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلا حملہ یزید ہی نے کیا تھا، اور ساتھ میں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یزید سے پہلے رومی سرزمین پر جتنی بار بھی لشکر کشی ہوئی ہے ان میں سے کوئی بھی لشکر قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکا۔

دوسری روایت: (مضیق قسطنطنیہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا حملہ):

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے کہا:

''بلکہ ان تمام لشکروں سے پہلے بھی ایک لشکر کے حملہ کا ثبوت ملتا ہے جس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے یہ حملہ ۳۲ ہجری مطابق ۶۵۲۔۶۵۳ء میں ہوا تھا، دیکھئے: (تاریخ طبری: ج:۴،ص۳۰۴، العبر للذھبی: ج۱،ص۲۴، المنتظم لابن الجوزی: ج۵،ص:۱۹،ط۱۹۹۲ء، البدایہ والنہایہ: ج:۷،ص:۱۶۹، ج:۸،ص: ۱۲۶، تاریخ الاسلام للذہبی وغیرہ)'' [مقالات: ج:۱،ص ۳۱۱]۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

یہ بات سب سے پہلے امام طبری رحمہ اللہ نے ذکر کی اور انہوں نے اس کی سند اس طرح پیش کی ہے:

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۱۰) نے کہا:

سنة اثنتين وثلاثين (ذكر ما كان فيها من الأحداث المذكورة) فمن ذلك غزوة معاوية بن أبى سفيان المضيق، مضيق القسطنطينية، ومعه زوجته عاتكة ابنة قرظة بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف. وقيل: فاختة، حدثنى بذلك أحمد بن ثابت، عمن ذكره، عن إسحاق، عن أبى معشر.

سن ۳۲ ہجری (اس سن میں مذکور واقعات کا بیان) انہیں واقعات میں سے معاویہ رضی اللہ عنہ کا مضیق قسطنطنیہ کا غزوہ ہے ۔ آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فاختہ تھیں، مجھ سے اس روایت کو احمد بن ثابت نے بیان کیا ہے انہوں نے اپنے استاذ سے اور انہوں نے اسحاق سے اور انہوں نے ابومعشر

سے۔[تاریخ الطبری:٤/٣٠٤]۔

امام طبری نے یہ بات کہہ کر اخیر میں سند بیان کردی ہے جس کی رو سے یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔ چنانچہ:

الف: امام طبری کا استاذ ''احمد بن ثابت'' یہ ''احمد بن ثابت بن عتاب الرازی المعروف بفرخویہ'' ہے۔ اور یہ بہت بڑا جھوٹا شخص ہے چنانچہ:

ابوالعباس بن ابوعبداللہ الطہرانی (المتوفی:۴۶۹) نے کہا:

لا یشکون ان فرخویه کذاب.

محدثین کو ''(احمد بن ثابت) فرخویہ'' کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا کہ یہ بہت بڑا جھوٹا ہے۔[الجرح و التعدیل لابن أبی حاتم:٢/٤٤ واسناده صحیح]۔

علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے کذاب کہا ہے اور اس کی وجہ سے ایک روایت کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے دیکھیں:[سلسلة الأحاديث الضعيفة ٤/٢٩٥ رقم:١٨١٦]۔

نیز دیکھئے:[معجم شیوخ الطبری: ص:٧٥]۔

ب: احمد بن ثابت کذاب کے استاذ کا نام بھی مذکور نہیں۔

ج: اسی طرح ''''نجیح بن عبدالرحمٰن السندی ابومعشر المدنی''، بھی سخت ضعیف ہے۔

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ (المتوفی:۱۹۸ھ) نے اسے ضعیف کہا:

كَانَ يَحيىٰ بْنُ سَعِيدٍ لا يُحَدّثُ عَنْ أَبِى مُعْشَر وَيضعفهُ وَيضُحک إذَا ذَكَرَهُ.

یحیی بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے تھے اور اسے ضعیف قرار دیتے اور اس کا تذکرہ ہونے پر ہنستے[الجرح و التعدیل لابن أبی حاتم:۔٨/٤٩٤ واسناده صحیح]۔

امام مظفر بن مدرک رحمہ اللہ (المتوفی:۲۰۷ھ) نے کہا:

كَانَ أَبُو معشر رَجُلا لَا يضُبط الْإِسْنَاد.

ابومعشر ایسا آدمی تھا جو سندوں کو یاد نہیں کر پاتا تھا[العلل ومعرفة

الرجال:۔۵۵۳/۲ و اسناده صحیح]۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۰ھ) نے کہا:

كَانَ كَثِيرُ الْحَدِيث ضَعِيفاً.

یہ کثیر الحدیث اور ضعیف تھا[الطبقات الکبری لابن سعد، العلمیة:۔۴۸۸/۵]۔

امام ابن معین رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۳ھ) نے کہا:

ابُو مَعْشَر لَيُسَ بِشَيءٍ.

ابو معشر کی کوئی حیثیت نہیں ہے[تاریخ ابن معین :روایة الدوری:۱۶۰/۳]۔

نوٹ:-واضح رہے کہ لَيْسَ بِشَیء یہ سخت قسم کی جرح ہے، جیسا کہ متعدد محدثین نے صراحت کی ہے دیکھیں:[الفاظ وعبارات الجرح والتعدیل:۳۰۷، فتح المغیث:۔۱۲۳/۲، تدریب الراوی:۴۰۹/۱-۴۱۰]۔

اور ابن معین کے نزدیک بھی عام حالات میں یہ اسی معنی میں ہے، بلکہ بسا اوقات آپ نے کذاب اور وضاع راویوں پر بھی انہیں الفاظ میں جرح کی ہے، مثلاً ایک کذاب کے بارے میں فرماتے ہیں:''كَذَّابٌ لَيْسَ بِشَيء.'' یہ کذاب ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں[سؤالات ابن الجنید:۔رقم ۵۳۵ و أیضا أرقام:۲۹۳، ۴۱۷، ۴۸۴،]۔

اور ایک وضاع کے بارے میں فرماتے ہیں:''**لَيْسَ بِشَيءٍ يضعُ الاحَادِيث.**'' اس کی کوئی حیثیت نہیں یہ احادیث گھڑتا تھا[تاریخه ،روایة الدوری:۔رقم۴۲۱۳]۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''امام ابن معین عام طور پر جس راوی کو لیس بشیء کہتے ہیں تو وہ شدید جرح ہوتی ہے۔''[ماہنامہ''الحدیث''حضرو:۵۵ص۱۸]۔

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۴ھ) نے کہا:

كَانَ ذَلِك شَيخا ضَعِيفا.

یہ شیخ تھا اور ضعیف تھا ضعیف تھا [سؤالات ابن أبی شیبة لابن المدینی:۔ص:۱۰۰]۔

نوٹ:۔ضعیف ضعیف کی تکرار سخت جرح ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۔۲۴۱ھ) نے کہا:

عِندِیْ حَدِیْثُہٗ مُضطَربُ لا یقِیْمُ الإسْنَاد، وَلٰکِنْ أکْتُبُ حَدِیْثَہٗ أعتبر بِہِ.

میرے نزدیک اس کی حدیث مضطرب ہے یہ سندوں کو ٹھیک طرح سے بیان نہیں کر پاتا ہے، لیکن میں اعتبار کے لئے اس کی حدیث لکھتا ہوں [تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: ۵۹۱/۱۵ و سندہ صحیح وروایة الجوهری عن الاثرم من الکتاب]۔

نوٹ:۔امام احمد رحمہ اللہ نے اسے **أعتبر بِہِ** کہا ہے۔

امام احمد یا دیگر محدثین جب اعتبار کے لئے کسی مجروح راوی کی روایت لکھیں تو ہر جگہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے نزدیک اس کی روایت استشہاد میں پیش کی جاسکتی ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کی روایات کی جانچ پڑتال میں آسانی ہو مثلاً اگر کسی نے سند سے اس کو ساقط کردیا اور ہمارے پاس دوسری سند اس کے نام کے اثبات کے ساتھ موجود رہے گی تو یہ معلوم ہوجائے گا کہ فلاں سند سے فلاں کو ساقط کیا گیا۔

یہی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جابر الجعفی جیسے کذاب وضاع راوی کے بارے میں کہتے ہیں:

قَدْ کُنْتُ لا اَکتُبُ حَدِیْثَہ ، ثُمَّ کَتبت اعْتبر بِہِ.

میں اس کی حدیث نہیں لکھتا تھا پھر اعتبار کے لئے لکھنے لگا [علل أحمد روایة المروذی: ص: ۷۰]۔

یاد رہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے خود جابر جعفی کو کذب سے متہم کیا ہے امام مروزی نے ان سے پوچھا:

قُلْتُ:جَابِر الجُعْفِی ؟ قَالَ لِیْ : کَانَ یَری التَّشَیُّع: قُلْتُ یَتہم فِی حَدِیْثَة بِالْکَذِب ؟ فَقَالَ لِی:مَنْ طعن ، فَاِنَّمَا یطعَن بِمَا خَافَ مِنَ الکَذِبِ ، قُلْتُ :الکَذِب،

فَقَالَ: أیْ وَاللّٰهِ. وَذَاکَ فِی حَدیُثَة بیُن ، اذَا نظرَت الَیُهَا.

امام مروزی نے کہتے ہیں میں نے پوچھا: جابر جعفی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ نے مجھے بتایا: جنہوں نے اس پر طعن کیا ہے انہوں نے اس کے جھوٹ کے خوف سے طعن کیا۔ میں نے کہا جھوٹ کی وجہ سے؟ آپ نے کہا: ہاں اللہ کی قسم! یہ چیز تو اس کی حدیث میں واضح ہے اگر تم اسے دیکھو[علل أحمد رواية المروذی:۔ص:٢٣٦]۔

۞ امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۹ھ) نے کہا:

أَبُو معُشَر ضَعِیف.

ابومعشر ضعیف ہے[تاریخ بغداد للخطیب البغدادی:۔: ١٥/ ٥٩١ واسنادہ صحیح]۔

۞ امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵٦ھ) نے کہا:

مُنکَرُ الحدیثِ.

یہ منکر الحدیث ہے[التاریخ الکبیر للبخاری:۔١١٤/٨]۔

نوٹ:-امام بخاری رحمہ اللہ کا منکر الحدیث کہنا سخت جرح ہے، ایسے رواۃ سے امام بخاری رحمہ اللہ روایت لینا بھی جائز نہیں سمجھتے۔

بلکہ زیر تبصرہ راوی کے بارے میں تو امام بخاری رحمہ اللہ نے صراحت بھی کردی ہے کہ وہ اس سے روایت نہیں لیتے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ:

قَالَ مُحَمَّد: عَبْدُ الْكَرِيمِ أَبُو أُمَيَّةَ مُقَارِبُ الْحَدِيثِ. وَأَبُو مَعُشَرٍ الْمَدِينِيُّ نَجِيحٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ ضَعِيفٌ لَا أَرْوِی عَنْهُ شَيْئًا وَلَا أَكْتُبُ حَدِيثَهُ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا: عبدالکریم ابوامیہ مقارب الحدیث ہے اور ابومعشر ضعیف ہے میں اس سے نہ تو کچھ روایت کرتا ہوں اور نہ ہی اس کی حدیث لکھتا ہوں[علل الترمذی الکبیر : ص:١٥٦]۔

✿ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۰۳ھ) نے کہا:

أَبُو مِعشَرُ الْمَدنِی اسْمُهُ نَجِيْحٌ وَهُوَ ضَعِيفٌ وَمَع ضعُفه أيُضاً كَانَ قَدُ اخْتَلَطَ.

ابومعشر مدنی اس کا نام نجیح ہے یہ ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ یہ مختلط بھی ہوگیا تھا[سنن النسائی الکبری:۔۲/۹۶]۔

✿ امام دارقطنی رحمہ اللہ (المتوفی: ۳۸۵ھ) نے کہا:

وَأَبُو مِعُشَر اسُمُهُ نَجِيح وَهُوَ ضَعِيفٌ.

ابومعشر، اس کا نام نجیح ہے یہ ضعیف ہے[سنن الدارقطنی:۔۲/۱۶]۔

✿ امام ابونعیم رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۳۰ھ) نے کہا:

روى عَن نَافِع وَابُن الْمُنُكَدر وَهِشَام بن عُرُوَة وَمُحَمّد بن عَمْرو الموضوعات لَا شَيْء.

اس نے نافع، ابن المنکدر، ھشام بن عروہ اور محمد بن عمرو سے من گھڑت روایات بیان کی ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے[الضعفاء لأبی نعیم:ص:۱۵۳]۔

✿ امام بیہقی رحمہ اللہ (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے کہا:

أَبُوُ مِعشَر هٰذَا نَجِيح السِّندِى مَدَنِى ضَعِيفٌ.

ابومعشر یہ نجیح السندی ہے اور یہ ضعیف ہے[السنن الکبری للبیهقی:۔۵/۱۸۰، والدر النقی من کلام الإمام البیهقی:۔ص:۳۷۶]۔

✿ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۰۷ھ) نے کہا:

وَأَبُو مِعشَر هٰذَا هُوَ نَجِيح ضَعِيفٌ جِدّا.

ابومعشر یہ نجیح ہے اور یہ سخت ضعیف ہے[ذخیرة الحفاظ لابن القیسرانی:۔۱/۴۸۵]۔

✿ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۸ھ) نے کہا:

وَهُوَ واهٍ.

یہ سخت **ضعیف** ہے[تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی:۔ ص:۲۰۳]۔

نوٹ :-امام ذہبی رحمہ اللہ کا واہٍ کہنا سخت جرح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲ھ) نے کہا:

ضَعِيفٌ مِنَ السَّادِسَةِ أَسَن وَاختَلَط.

یہ چھٹے طبقہ کا ضعیف راوی ہے یہ معمر ہونے کے بعد مختلط بھی ہو گیا تھا[تقریب التہذیب لابن حجر:رقم ۷۱۰۰]۔

د: " **نجیح بن عبد الرحمن السندی ابو معشر المدنی**" کی وفات ۱۷۰ ہجری ہے[تقریب التہذیب لابن حجر:رقم ۷۱۰۰] ۔اور اس روایت میں وہ ۳۲ ہجری کا واقعہ بیان کررہا ہے۔یعنی اس کے بیان کردہ واقعہ اور اس کی وفات کے مابین ۱۳۸/سال کا فاصلہ ہے ظاہر ہے کہ ابومعشر کی عمر اتنی لمبی نہیں ہوسکتی لہٰذا اس نے کسی اور کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اور وہ مجہول ہے۔نیز دیکھئے:یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ:ص۵۱۴۔

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

طبری کی اسی روایت کو امام ذہبی ، ابن الجوزی اور ابن کثیر وغیرہ نے سند ذکر کئے بغیر نقل کیا ہے۔اور ہم بتا چکے ہیں کہ سنداً یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔لہٰذا یہ کہنا کہ اس حملہ کا ثبوت ملتا ہے سراسر باطل ہے۔

ثانیاً:-

اس روایت میں قسطنطنیہ پر حملہ کی بات نہیں ہے بلکہ مضیق قسطنطنیہ پر حملہ کی بات ہے اور یہ دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ مقامات ہیں اور ایک پر حملہ کرنے سے دوسرے پر حملہ کرنا لازم نہیں آتا۔یہی وجہ ہے کہ بعض مؤرخین مثلاً امام ابن کثیر وغیرہ نے یہ بات نقل کرنے کے باوجود بھی یہی کہا ہے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے یزید نے حملہ کیا۔کما مضیٰ ۔

❁ تیسری روایت: (بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ کا حملہ):

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ (المتوفی:۳۱۰) نے کہا:

فمن ذلک غزوة بسر بن أبی أرطاة الروم ومشتاه بأرضهم حتی بلغ القسطنطينية -فيما زعم الواقدی -وقد أنكر ذاک قوم من أهل الأخبار، فقالوا: لم يكن لبسر بأرض الروم مشتی قط.

سن ۴۳ میں بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ نے روم میں جہاد کیا اور موسم سرما میں ان پر حملہ کیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گیا، یہ واقدی کا دعویٰ ہے اور مؤرخین کی ایک جماعت نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ بسر نے سرزمین روم پر کبھی بھی حملہ نہیں کیا۔[تاريخ الطبری:۱۸۱/۵]۔

عرض ہے کہ یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے امام طبری نے صراحت کردی ہے کہ اس چیز کا دعویٰ واقدی نے کیا ہے اور واقدی مشہور کذاب ہے۔

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (المتوفی:۲۰۴) نے کہا:

كتب الواقدی كذب.

واقدی کی ساری کتابیں جھوٹی ہیں۔[الجرح والتعديل لابن أبی حاتم: ۲۰/۸،وسنده صحيح]۔

❁ امام إسحاق بن راہَوَیہ رحمہ اللہ (المتوفی:۲۳۷) نے کہا:

عندی ممن يضيع الحديث.

میرے نزدیک یہ حدیث گھڑنے والوں میں سے تھا۔[الجرح والتعديل لابن أبی حاتم: ۲۰/۸،وسنده صحيح]۔

❁ امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

والكذابون المعروفون بِوَضْع الحَدِيث على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَرْبَعَة: ۱-ابن أبی يحيى بِالْمَدِينَةِ ۲- والواقدی بِبَغْدَاد ۳-وَمُقَاتِل بن

سُلَیْمَان بخراسان ٤ ـ وَمُحَمّد بن السعید بِالشَّام.

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حدیث گھڑنے والے مشہور ومعروف جھوٹے راوی چار ہیں(۱) مدینہ میں ابن ابی یحییٰ (۲) بغداد میں واقدی (۳) خراسان میں مقاتل بن سلیمان (۴) شام میں محمد بن سعید۔[أسئلة للنسائی المطبوع فی رسائل فی علوم الحدیث :ص٧٦]۔

❁ امام ابن القیسرانی رحمہ اللہ (المتوفی:۵۰۷) نے کہا:

أجمعوا علی ترکه.

اس کے متروک ہونے پر محدثین کا اجماع ہے۔[معرفة التذکرة لابن القیسرانی: ص:١٦٣]۔

❁ امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

قد انعقد الإجماع الیوم علی أنه لیس بحجة، وأن حدیثه فی عداد الواهی.

آج اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ واقدی حجت نہیں ہے اور اس کی حدیث سخت ضعیف میں شمار ہوگی۔[سیر أعلام النبلاء للذهبی:٩/٤٦٩]۔

ان ائمہ کے علاوہ اور بھی متعدد ناقدین نے اس پر جرح کی ہے ملاحظہ ہو عام کتب رجال۔

فائدہ:- علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

محمد بن عمر هذا -وهو الواقدی -کذاب ، فلا یفرح بروایته.

محمد بن عمر یہ واقدی کذاب ہے اس لئے اس کی روایت کسی کام کی نہیں[الضعیفة : ١٣/٤]۔

نیز امام طبری رحمہ اللہ نے یہ بات ذکر کر کے یہ بھی کہا ہے کہ مؤرخین کی ایک جماعت نے اس بات کی تردید کی ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ بات سفید جھوٹ ہے۔

❁ چوتھی روایت: (معن بن یزید رضی اللہ عنہ کا حملہ):

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

حدثنا أبو صالح محبوب بن موسى، أخبرنا أبو إسحاق الفزاری، عن عاصم بن كليب، عن أبی الجويرية الجرمی، قال: أصبت بأرض الروم جرة حمراء فيها دنانير فی إمرة معاوية وعلينا رجل من أصحاب النبی ﷺ من بنی سليم يقال له: معن بن يزيد فأتيته بها فقسمها بين المسلمين وأعطانی منها مثل ما أعطى رجلا منهم، ثم قال: لولا أنی سمعت رسول اللهﷺ يقول: لا نفل إلا بعد الخمس لأعطيتك، ثم أخذ يعرض علی من نصيبه فأبيت.

سیدنا ابوجویریہ جرمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مجھے رومی علاقے میں سرخ رنگ کا ایک گھڑا ملا اس میں دینار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بنی سلیم کے ایک فرد سیدنا معن بن یزید رضی اللہ عنہ ہمارے امیر تھے وہ گھڑا میں ان کے پاس لے آیا۔ پس انہوں نے اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور مجھے بھی اتنا ہی دیا جتنا کہ دوسروں میں سے ہر ایک کو دیا۔ پھر کہا: اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ ''اضافی انعام (نفل) خمس نکالنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔'' تو میں تمہیں بھی دیتا پھر وہ اپنا حصہ مجھے دینے کی کوشش کرتے رہے مگر میں نے انکار کر دیا۔ [سنن أبی داؤد :۔۳/۸۱ ،رقم:۲۷۵۳]۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

یہ روایت بالکل غیر واضح ہے اس میں تو سرے سے لشکر کشی اور حملہ کرنے کا ذکر ہی نہیں ہے۔

ثانیاً:-

اگر تسلیم کرلیں کہ یہ غزوہ تھا تو اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ اس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اس میں تو صرف رومی زمین کا ذکر ہے رومی زمین کے ذکر سے قسطنطنیہ پر تو حملہ ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی کہے بخاری میں محمود بن ربیع والی روایت جس سے لشکر قسطنطنیہ میں یزید کی امارت پر استدلال کیا جاتا ہے اس میں بھی تو صرف ارض روم یعنی رومی سرزمین کا ذکر ہے۔

تو عرض ہے کہ بخاری کی اس روایت میں صرف ارض روم یعنی رومی سرزمین ہی کا ذکر نہیں ہے بلکہ ساتھ میں یہ بھی وضاحت ہے کہ اسی غزوہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے۔اس روایت میں یہ بیان اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بخاری کی روایت میں ارض روم سے قسطنطنیہ مراد ہے کیونکہ یہ بات متفق علیہ ہے کہ ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی وفات لشکر قسطنطنیہ کے وقت ہی ہوئی نیز صحیح اور صریح روایات میں اس کی صراحت بھی ہے دیکھیں:[سنن أبی داؤد: ۱۳/۳ واسنادہ صحیح]۔ نیز دیکھئے:ص۴۵۔

لہٰذا بخاری کی روایت کا معاملہ الگ ہے اس میں ابوایوب رضی اللہ عنہ کی وفات کا بھی ذکر ہے جس سے طے ہوجاتا ہے کہ وہاں ارض روم سے مراد قسطنطنیہ ہی ہے۔

لیکن یہاں ابوداؤد کی روایت میں صرف رومی سرزمین کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ یہاں روم سے مراد قسطنطنیہ ہے اس لئے یہ روایت غیر واضح ہے۔

پانچویں روایت: (ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ کا حملہ):

امام حاکم رحمہ اللہ (المتوفی:۴۰۵) نے کہا:

حدثنا أبو محمد أحمد بن عبد الله المزنی ، ثنا محمد بن عبد الله المخرمی ، ثنا أبو کریب ، ثنا فردوس الأشعری ، ثنا مسعود بن سلیم ، عن حبیب بن أبی ثابت ، عن محمد بن علی بن عبد الله بن عباس ، عن أبیه ، عن ابن عباس ، أن أبا أیوب خالد بن زید الذی کان رسول الله صلی الله علیه وسلم نزل فی داره غزا أرض الروم...

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ جن کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اترے تھے انہوں نے روم میں جہاد کیا۔۔۔[المستدرك علی الصحیحین للحاکم:۔ (ط مقبل)۵٦٥/۳]۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

اس کے اندر بہت ساری علتیں مثلاً سند میں موجود ''مسعود بن سلیم'' اور بعض طریق کے مطابق ''مسعود بن سلیمان'' مجہول ہے کسی بھی محدث نے اسے ثقہ نہیں کہا۔اسی طرح ''فردوس الاشعری'' بھی مجہول ونامعلوم ہے۔اس سند میں اور بھی خرابیاں ہیں۔لیکن اس کے مردود ہونے کے لئے ان دورواۃ کا مجہول ہونا ہی کافی ہے۔

ثانیاً:-

اس میں بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ اس لشکر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اس میں تو صرف رومی زمین کا ذکر ہے اور رومی زمین کے ذکر سے قسطنطنیہ پر حملہ تو ثابت نہیں ہوتا۔دیکھیں:ص۳۲۔

چھٹی روایت:(امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فوج کی روانگی):

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفی:۲۵۶) نے کہا:

حدثنا عبد الله بن صالح حدثني معاوية عن عبد الرحمن بن جبير بن نفير عن أبيه عن أبي ثعلبة الخشني قال سمعته في خلافة معاوية بالقسطنطينية و كان معاوية غزا الناس بالقسطنطينية إن الله لا يعجز هذه الأمة من نصف يوم.

عبدالرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہ کی خلافت میں صحابی رسول ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کو قسطنطنیہ میں فرماتے ہوئے سنا اور امیر معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کے لئے بھیجا تھا۔چنانچہ انہوں نے کہا: یہ امت آدھے دن کی مہلت سے عاجز نہیں رہے گی۔[التاريخ الأوسط للبخاري: ۹۷/۱ واسناده ضعيف]۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

اس روایت سے استدلال کی بنیادان الفاظ پر ہے ''سمعته فی خلافة معاوية بالقسطنطينية'' یعنی صحابی سے یہ بات قسطنطنیہ میں سنی، اور اس وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ پر حملہ کے لئے فوج بھیجا تھا۔

لیکن یہ الفاظ ثابت ہی نہیں ہیں کیونکہ اسے عبداللہ بن صالح الجہنی جو کی سئ الحفظ ہیں اور سند ومتن دونوں میں غلطیاں کرنے والے ہیں۔[الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی:۔ ۳٤۷/٥]۔ انہوں نے معاویہ بن صالح کے طریق سے بیان کیا جبکہ معاویہ بن صالح ہی کے طریق سے ثقہ وثبت اور عظیم محدث امام لیث بن سعد رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا جیسا کہ مسند احمد میں ہے تو اس مقام پر قسطنطنیہ کا ذکر نہیں کیا بلکہ فسطاط (خیمہ) کا ذکر کیا ہے چنانچہ:

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

حدثنا هاشم ، قال: حدثنا ليث ، عن معاوية بن صالح ، عن عبد الرحمن بن جبير عن أبيه ، قال : سمعت أبا ثعلبة الخشني ، صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم ، أنه سمعه يقول وهو بالفسطاط فى خلافة معاوية ، وكان معاوية أغزى الناس القسطنطينية ، فقال: والله لا تعجز هذه الأمة من نصف يوم إذا رأيت الشام مائدة رجل واحد وأهل بيته ، فعند ذلک فتح القسطنطينية.

عبدالرحمٰن بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے صحابی رسول ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کو امیر معاویہ کی خلافت میں خیمہ میں فرماتے ہوئے سنا اور امیر معاویہ نے لوگوں کو قسطنطنیہ پر حملہ کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا: یہ امت آدھے دن کی مہلت سے عاجز نہیں رہے گی، اور جب تم شام کو ایک ہی شخص اور اس کے اہل خانہ کے زیر تسلط دیکھو تو اس وقت قسطنطنیہ فتح ہوگا۔[مسند أحمد :۱۹۳/٤ واسناده صحيح]۔

معلوم ہوا کہ اس روایت میں اس بات کا ثبوت ہی نہیں ہے کہ یہ فوج قسطنطنیہ پہونچی تھی بلکہ یہ

فوج کہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی، اس روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ فوج قسطنطنیہ تک پہونچی ہی نہیں۔ اور اس احتمال کو دور کرنے یا اسے مرجوح قرار دینے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا جب تک یہ صراحت نہیں مل جاتی کہ یہ فوج قسطنطنیہ پہنچی تھی اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

ثانیاً:۔

اس روایت میں حملہ کا ذکر بھی نہیں ہے بلکہ صرف حملہ کے لئے فوج کی روانگی کا ذکر ہے۔ اس میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ فوج بھیج رہے تھے لیکن اس فوج نے کیا کارنامہ انجام دیا اس کا اس روایت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا لشکر قسطنطنیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ثالثاً:۔

پیچھے ایک ضعیف روایت گذر چکی ہے (ص ٢٦) جس میں یہ وضاحت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سولہ بار فوج بھیجی تھی لیکن قسطنطنیہ تک کوئی بھی فوج نہیں پہنچ سکی۔ سوائے اس فوج کے جس کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ فوج قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

یاد رہے کہ ہماری نظر میں یہ روایت ضعیف ہے لیکن چونکہ فریق مخالف نے اس سے استدلال کیا ہے اس لئے بطور الزام ہم اسے پیش کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

❁ ساتویں روایت: (سفیان بن عوف کا حملہ):

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

سابقہ حملوں کے علاوہ ایک اور حملہ بھی ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”**واستعمل معاوية سفيان بن عوف على الصوائف و كان يعظمه.**“ اور معاویہ نے سفیان بن عوف کو قسطنطنیہ پر صیفی حملوں میں امیر بنایا، اور آپ ان کی تعظیم کرتے تھے۔ (الاصابہ: ج:٢،ص:٥٦) [مقالات: ج:١،ص:٣١١، الحدیث:

٦،ص:٨]۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

حافظ موصوف نے جن الفاظ کا ترجمہ کیا ہے ان میں ''قسطنطنیہ'' کی کوئی صراحت نہیں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہے، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کے لئے آگے جو روایت پیش کی ہے وہ اس طرح ہے:

وروى ابن عائذ، من طريق صفوان بن عمرو، عن الفرج بن محمد، عن بعض أشياخه، قال: كنّا مع سفيان بن عوف الغامديّ سارين بأرض الرّوم...

[الإصابة فی تمییز الصحابة:١٠٧/٣]۔

اورابن عساکر نے اس کی پوری سند اس طرح نقل کی ہے:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے کہا:

أخبرنا أبو محمد بن الأكفاني بقراءتي عليه نا عبد العزيز بن أحمد أنا أبو محمد بن أبي نصر أنا أبو القاسم بن أبي العقب أنا أحمد بن إبراهيم القرشي نا ابن عائذ نا الوليد بن مسلم نا إسماعيل بن عياش عن صفوان بن عمرو عن الفرج بن يحمد عن بعض أشياخه قال كنا مع سفيان بن عوف الغامدي شاتين بأرض الروم فلما صفنا دعا سفيان الخيول فاختار ثلاثة آلاف فأغار بنا على باب الذهب حتى فزع أهل القسطنطينية.

فرج بن یحمد کے بعض مشائخ نے کہا کہ: ہم سفیان بن عوف غامدی کے ساتھ سرزمین روم میں موسم سرما کی لڑائی لڑ رہے تھے اور جب موسم گرما کی لڑائی کا وقت آیا تو سفیان بن عوف نے گھوڑے طلب کئے اور تین ہزار کا انتخاب کیا اور ہم سب کے ساتھ باب الذہب پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ قسطنطنیہ والے گھبرا گئے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۵۰/۲۱]۔

یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ:

الف: ''فرج بن یحمد'' نے جس سے نقل کیا ہے اس کا نام نہیں لیا ہے لہٰذا یہ روایت بیان کرنے والا مجہول ہے اس کی ثقاہت تو دور کی بات اس کا نام تک معلوم نہیں۔

ب: اسی طرح خو''دفرج بن یحمد'' بھی مجہول ہے، ابن حبان کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے۔

ج: نیز سند میں ولید بن مسلم ہیں جو تدلیس تسویہ سے متصف ہیں (دیکھیں: ص۲۵ نیز ص۶۳) اور انہوں نے سند کے تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت نہیں کی ہے۔

ان علتوں کی بنا پر یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ اپنی تائید میں مزید لکھتے ہیں:

محمد الخضیر ی کی ''محاضرات الامم الاسلامیہ'' میں ہے:'' **وفی۸ ٤ ٥ جهز معاويه جيشا عظيما لفتح قسطنطنية وكان على الجيش سفيان بن عوف.**''[ج:۲،ص:۱۱۴]۔

اور ۴۸ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ایک عظیم لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔[مقالات:ج:۱،ص:۳۱۲]۔

یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ آگے لکھتے ہیں:

''محاضرات کا حوالہ ایک دوسری کتاب سے لیا گیا ہے۔'' [مقالات:ج:۱،ص:۳۱۲]۔

لیکن موصوف نے اس دوسری کتاب کا نام نہیں بتایا جس سے حوالہ لیا تھا۔

ہماری نظر اس وضاحت پر پڑی تو ہم سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ موصوف نے اصل کتاب سے عبارت کیوں نہیں نقل کی؟ نیز جس دوسری کتاب سے یہ عبارت نقل کی اس کا نام کیوں نہیں بتایا؟ ذہن میں اٹھنے والے ان سوالات نے تجسس پر مجبور کیا اور ہمیں یقین ہو چلا کہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔

پھر ہم نے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا تو ہماری حیرت کی انتہاء نہ رہی! کیونکہ اصل کتاب

میں اس عبارت کے فوراً ہی بعد محمد الخضیر ی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس لشکر میں یزید بن معاویہ بھی موجود تھے، آیئے ہم محاضرات سے پوری بات نقل کرتے ہیں:

محمد الخضیر ی لکھتے ہیں:

”وفی ٥٤٨ جهز معاويه جيشا عظيما لفتح قسطنطينية وكان على الجيش سفيان بن عوف وامر ابنه يزيد ان يغزو معهم وكان فى هذ الجيش ابن عباس وابن عمر وابن الزبير وابوايوب الانصارى وغيرهم وعبدالعزيز بن زرارة الكلابى فساروا حتى بلغوا القسطنطينية .“

اور ۴۸ ھ میں معاویہ نے قسطنطنیہ کی فتح کے لئے ایک عظیم لشکر بھیجا جس کے امیر سفیان بن عوف تھے۔امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو بھی حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہوں اور اس لشکر میں ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور ابوایوب وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی تھے اور عبدالعزیز بن زرارۃ الکلابی بھی تھے، یہ لوگ روانہ ہوئے یہاں تک کہ قسطنطنیہ تک پہنچ گئے۔

[محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية :۔ص:٤٤٢ تحقيق محمدالعثمانى]۔

اگر اللہ نے کسی کو ذرہ برابر بھی عقل دی ہوگی تو وہ بھی محمد الخضیر ی کی پوری بات پڑھ کر اچھی طرح سمجھ جائے گا محمد الخضیر ی بھی اس بات کے دعویدار نہیں ہیں کہ اس لشکر میں یزید بن معاویہ نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس انہوں نے پوری صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو حکم دیا کہ وہ بھی اس لشکر میں شامل ہوں۔

ساتھ میں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس میں شریک تھے بلکہ آگے چل کی یہ بھی لکھا ہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی موقع پر ہوئی دیکھئے:[محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية :۔ص:٤٤٢ تحقيق محمدالعثمانى]۔

بہر حال اول تو یہ روایت ثابت نہیں دوسرے یہ کہ اس روایت کے مفہوم کی وضاحت میں محمد الخضیر ی کی جو عبارت نقل کی گئی ہے عین اسی عبارت میں آگے فوراً ہی محمد الخضیر ی نے اس لشکر

میں یزید کی شمولیت بیان کی ہے۔

ثانیاً:-

بعض روایات میں پوری صراحت کے ساتھ یہ آتا ہے کہ اس حملہ میں سفیان بن عوف کے ساتھ یزید بن معاویہ بھی شریک تھے جیسا کہ محمد الخضیری نے بھی لکھا ہے کما مضیٰ۔ دیکھئے: ص ۸۷ تا ۹۰ نیز دیکھیں: یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ: ص ۴۸۷ تا ۴۹۷۔

ہماری نظر میں تو یہ روایت بھی ثابت نہیں اور نہ ہی صرف سفیان بن عوف کے حملہ والی روایت ثابت ہے لیکن جو لوگ پہلی روایت قبول کرتے ہیں انہیں دوسری روایت بھی قبول کرنی چاہیئے۔

❁ آٹھویں روایت: (عبدالرحمٰن بن خالد کا حملہ):

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۷۵) نے کہا:

حدثنا أحمد بن عمرو بن السرح، حدثنا ابن وهب، عن حيوة بن شريح، وابن لهيعة عن يزيد بن أبي حبيب، عن أسلم أبي عمران قال غزونا من المدينة نريد القسطنطينية، وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، والروم ملصقو ظهورهم بحائط المدينة، فحمل رجل على العدو، فقال الناس: مه مه لا إله إلا الله، يلقي بيديه إلى التهلكة، فقال أبو أيوب:" إنما نزلت هذه الآية فينا معشر الأنصار لما نصر الله نبيه، وأظهر الإسلام قلنا: هلم نقيم في أموالنا ونصلحها "، فأنزل الله تعالى: (وأنفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة) (البقرة: ١٩٥) فالإلقاء بالأيدي إلى التهلكة أن نقيم في أموالنا ونصلحها وندع الجهاد، قال أبو عمران: فلم يزل أبو أيوب يجاهد في سبيل الله حتى دفن بالقسطنطينية.

اسلم، ابوعمران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے، ہم قسطنطنیہ جانا چاہتے تھے اور جناب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہمارے امیر جماعت تھے۔ رومی

لوگ اپنی پشت فصیل شہر کی طرف کیے ہمارے مدمقابل تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے دشمن پر ہلہ بول دیا تو لوگوں نے کہا: رکو، ٹھہرو! لا إله إلا الله یہ شخص اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتا ہے تو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم انصاریوں ہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب اللہ ذوالجلال نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت فرمائی اور اسلام کو غالب کر دیا تو ہم نے کہا: چلو اب ذرا اپنے اموال و جائیداد میں رک جائیں اور ان کو درست کر لیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' ہلاکت میں ڈالنا یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں میں رک جائیں، ان کی اصلاح میں مشغول ہو جائیں اور جہاد چھوڑ دیں۔ ابوعمران نے کہا: چنانچہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔[سنن أبی داؤد:۳/۱۲رقم :۲۵۱۲]۔

اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ پر حملہ ''عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید'' نے کیا تھا کیونکہ اس روایت میں لشکر کا امیر ''عبدالرحمٰن بن خالد'' کو بتلایا گیا ہے۔

لیکن یہ استدلال غلط فہمی پر مبنی ہے اور حدیث میں عدم تدبر اور تمام طرق کو سامنے نہ رکھنے کا نتیجہ ہے۔

عبدالرحمٰن بن خالد صرف اہل مدینہ کے امیر تھے۔

دراصل اس حدیث میں عبدالرحمٰن بن خالد کو اس جماعت کا امیر کہا گیا ہے جو جماعت مدینہ سے نکلی تھی چنانچہ اس حدیث کے ابتدائی الفاظ دیکھیں جو یہ ہیں:

عن أسلم أبی عمران قال غزونا من المدینة نرید القسطنطینیة، وعلی الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الولید،

اسلم، ابوعمران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے، ہم قسطنطنیہ جانا چاہتے تھے اور جناب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہمارے امیر جماعت

تھے۔[حدیث مذکور]

یہ سیاق صاف طور سے بتلاتا ہے کہ عبدالرحمان بن خالد صرف اس جماعت کے امیر تھے جو مدینہ سے نکلی تھی۔

اس کی مزید تائیداس بات سے ہوتی ہے کہ اسی روایت کے دوسرے طرق میں دیگر شہروں سے آنی والی ہر جماعت کے ساتھ اس کے امیر کا ذکر ہے چنانچہ:

امام نسائی رحمہ اللہ (المتوفی:۳۰۳) نے کہا:

أخبرنا محمد بن حاتم، أخبرنا حبان، أخبرنا عبد الله، عن حيوة، أخبرني يزيد بن أبي حبيب، حدثنا أسلم أبو عمران، قال: "كنا بالقسطنطينة، وعلى أهل مصر عقبة بن عامر، وعلى أهل الشام فضالة بن عبيد."

اسلم ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے اور اہل مصر کے امیر عقبہ بن عامر جہنی تھے اور اہل شام کے امیر فضالہ بن عبید انصاری تھے۔۔۔[السنن الکبری للنسائی : ۲۸/۱۰ واسنادہ صحیح]۔

اس روایت میں غور کریں اس میں اہل مصر کی جماعت کا امیر عقبہ بن عامر کو بتلایا گیا ہے اور اہل شام کی جماعت کا امیر فضالہ بن عبید انصاری کو بتلایا گیا ہے۔

صاف ظاہر کہ جس طرح اہل مصر کی جماعت کے لئے ایک کو امیر بنایا گیا اور اہل شام کی جماعت کے لئے ایک امیر بنایا گیا ٹھیک اسی طرح مدینہ سے نکلنے والی جماعت کے لئے بھی کوئی امیر ہونا چاہئے، اور وہ عبدالرحمٰن بن خالد ہی ہیں۔ چنانچہ دوبارہ ابوداؤد کی روایت اور اس کے سیاق پر غور کریں:

عن أسلم أبي عمران قال غزونا من المدينة نريد القسطنطينية، وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد،

اسلم، ابوعمران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ منورہ سے جہاد کے لیے روانہ ہوئے،

ہم قسطنطنیہ جانا چاہتے تھے اور جناب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہمارے امیر جماعت تھے۔[حدیث مذکور]

سنن کبریٰ للنسائی کی روایت پڑھنے کے بعد ان الفاظ کو پڑھیں تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ یہاں عبدالرحمٰن بن خالد کو اہل مدینہ کی جماعت کا امیر بتایا جا رہا ہے جس طرح سنن کبریٰ للنسائی کی روایت میں اہل مصر کے لئے عقبہ بن عامر جہنی کو اور اہل شام کے لئے فضالہ بن عبید انصاری کو امیر بتلایا گیا۔

شیخ علی بن محمد الصلابی ابوداؤد کی اسی روایت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد۔ يعنى الجماعة الذين غزو من المدينة.

اوراس جماعت کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے یعنی اس جماعت کے جو مدینہ سے نکلی تھی۔[الدولة الأموية :۔ ۳۵۲/۱]۔

اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ مدینہ سے نکلنے والی جماعت کا کوئی امیر تھا ہی نہیں اور یہ ناممکن ہے۔کیونکہ جب اہل مصر کی جماعت کے لئے امیر بنایا گیا اور اہل شام کی جماعت کے لئے امیر بنایا گیا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اہل مدینہ کی جماعت کا کوئی امیر ہی نہ ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابوداؤد کی روایت میں عبدالرحمٰن بن خالد کی جس امارت کا ذکر ہے وہ ذیلی امارت ہے اور اس کا تعلق خاص اہل مدینہ ہی سے ہے۔

یعنی ابوداؤد کی اس روایت میں ان کی امارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ پورے لشکر کے امیر تھے اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ پورے لشکر کے امیر ہوتے تو اس حدیث کے ہر طریق میں ان کا ذکر ہونا چاہئے تھا یا پھر کسی بھی طریق میں ان کا ذکر نہیں ہونا چاہئے تھا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اگر عبدالرحمٰن بن خالد پورے لشکر کے عمومی امیر تھے تو صرف اہل مدینہ ہی کے گروہ کے ساتھ ان کا تذکرہ کیوں ہوا۔اور جس روایت میں اہل مصر اور اہل شام کی

بات آئی ان کے ساتھ ان کا ذکر کیوں نہیں ہوا کیا یہ ان کے امیر نہیں تھے؟ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اگر اہل مدینہ کے ذکر کے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا گیا کیونکہ یہ عمومی امیر تھے تو اہل مصر اور اہل شام کے ذکر کے ساتھ بھی ان کا ذکر ہونا چاہئے کیونکہ یہ ان کے بھی عمومی امیر تھے۔

لیکن تمام طرق کو دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ بعض میں ان کی امارت کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر لوگوں کی امارت کا ذکر ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ جس جس روایت میں جس جس جماعت کا ذکر آیا ان کے امراء کو بھی بتایا گیا۔ چنانچہ جس روایت میں اہل شام اور اہل مصر کا ذکر آیا اس میں ان کے امیروں کا بھی ذکر کیا گیا۔ اور جس روایت میں اہل مدینہ کا ذکر آیا اس میں ان کے امیر یعنی عبدالرحمٰن بن خالد کا ذکر ہوا۔

راویوں کا یہ انداز بیان بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس حدیث میں ذیلی امراء کا ذکر ہے یعنی الگ الگ جماعت کے الگ الگ امیروں کا ذکر ہے۔ اور یہ ذیلی امارت ہے اور خاص حلقہ تک محدود ہے۔

اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ:

رہی بات یہ کہ پھر اس لشکر کے عمومی امیر کا ذکر اس حدیث میں کیوں نہیں ہے؟ اور وہ کون تھے؟

تو عرض ہے کہ:

جہاں تک عمومی امیر کے ذکر نہ ہونے کی بات ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے کسی بھی طریق میں عمومی طور پر پورے لشکر کا ذکر ہوا ہی نہیں، بلکہ ہر طریق میں جزوی طور پورے لشکر سے بعض جماعتوں کا ذکر ہوا چنانچہ کسی میں اہل مدینہ کا ذکر ہوا تو کسی میں اہل مصر اور اہل شام کا ذکر ہوا۔

پھر جس جس جماعت کا ذکر ہوا خاص اس جماعت کے امیر کا بھی تذکرہ کر دیا گیا۔

مگر چونکہ اس روایت کے کسی بھی طریق میں پورے لشکر کا اجتماعی تذکرہ ہوا ہی نہیں اسی لئے اس پورے لشکر کے مجموعی امیر کا تذکرہ بھی نہیں ہوا۔

اب رہا سوال یہ کہ پھر اس لشکر کے عمومی امیر کون تھے؟ اور اس کی کیا دلیل ہے؟

تو عرض ہے کہ اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابوداؤد کی اسی حدیث کے اخیر میں یہ بھی صراحت ہے کہ:

فلم یزل أبو أیوب یجاهد فی سبیل الله حتی دفن بالقسطنطینیة.

ابوعمران نے کہا کہ: چنانچہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔ (حدیث مذکور)

اس جملہ سے پتہ چلا کہ اسی غزوہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ مسلسل جہاد کرتے ہوئے فوت ہو گئے تھے۔

اور بخاری کی ایک حدیث میں یہ صراحت موجود ہے کہ جس غزوہ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اس غزوہ کے امیر یزید بن معاویہ تھے۔ چنانچہ:

قال محمود بن الربیع: فحدثتها قوما فیهم أبو أیوب صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوته التی توفی فیها، ویزید بن معاویة علیهم بأرض الروم.

محمود بن ربیع نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث ایک ایسی جگہ میں بیان کی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ روم کے اس جہاد کا ذکر ہے جس میں آپ کی موت واقع ہوئی تھی۔ فوج کے سردار یزید بن معاویہ تھے۔ [(ترجمہ داؤد راز) صحیح البخاری:۔رقم:۱۱۸۶]

ابوداؤد کی روایت کے آخری حصہ کے ساتھ ساتھ بخاری کی روایت کی یہ تصریح سامنے رکھی جائے تو روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ ابوداؤد کی اس حدیث میں جس لشکر قسطنطنیہ کا ذکر ہے یہ وہی لشکر ہے جس کے مرکزی امیر یزید بن معاویہ تھے اور جس میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

بعض لوگ یزید کو نبوی بشارت سے محروم کرنے کے لئے ابوداؤد کی روایت کے آخری حصہ کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اس غزوہ سے واپس آ گئے تھے اور بعد میں یزید بن معاویہ کے ساتھ دوبارہ لشکر قسطنطنیہ میں شریک ہوئے تھے۔

لیکن یہ بات بے دلیل ہے اول تو کسی بھی روایت میں یہ نہیں ملتا کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ واپس آ گئے تھے اور یزید کے ساتھ دوبارہ لشکر قسطنطنیہ میں شرکت کی تھی۔ دوسرے کسی بھی روایت میں یہ صراحت نہیں ملتی کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے دوبار لشکر قسطنطنیہ میں شرکت کی ہے۔

بلکہ اسی حدیث کے ایک طریق میں یہ الفاظ ہیں:

عن أبی عمران التجیبی قال فلم یزل أبو أیوب یجاهد فی سبیل الله <u>حتی غزا القسطنطینیة</u> وتوفی بها فدفن بها.

ابوعمران نے کہا کہ: چنانچہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے، <u>یہاں تک کہ قسطنطنیہ پر لشکر کشی کی</u> اور وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر:۔٦٢/١٦ وفی اسناده ابن لهیعه وعنعنة الولید فی بعض الطبقات]۔

اس روایت میں ان الفاظ پر غور کیجئے "**حتی غزا القسطنطینیة**" یعنی یہاں تک کہ انہوں نے قسطنطنیہ میں جہاد کیا، مطلب یہ کہ اس سے قبل انہوں نے قسطنطنیہ پہنچ کر جہاد نہیں کیا۔

یہاں پر بالکل صراحت ہے کہ ان کے جہاد کی آخری کڑی لشکر قسطنطنیہ میں شرکت اور وفات تھی اور اس سے قبل وہ قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ وہی لشکر تھا جس کے عمومی امیر یزید بن معایہ تھے۔

ابن عساکر کی اس روایت کی سند ابن لھیعہ اور ولید کے بعض عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن چونکہ یہ مفہوم دیگر روایات کا بھی ہے اور اس روایت کی سند میں ابن لھیعہ کا ضعف معمولی ہے کیونکہ وہ سچے ہیں صرف حافظہ کی خرابی ہے اور ولید نے اپنے شیخ سے تحدیث کی صراحت کردی البتہ اس

سے آگے عنعنہ موجود ہے اس لئے یہ بھی بڑا ضعف نہیں لہٰذا اس روایت کے الفاظ سے مفہوم طے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

نیز حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے کہا:

اس مسئلہ میں میری تحقیق یہی ہے کہ صرف صحیح اور حسن حدیث سے ہی استدلال کرنا چاہئے یہ علیٰحدہ بات ہے کہ کسی صحیح محتمل الوجہین روایت کا مفہوم معمولی ضعیف (جس کا ضعیف شدید نہ ہو) سے متعین کیا جاسکتا ہے۔[مجلّہ الحدیث: ۷،ص: ۱۰]۔

اور ایک مقام پر کسی اور کا قول اپنی تائید میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ " **لاباس بضعف الروایة فانها تكفى لتعيين احد المحتملات.**

یعنی ضعیف حدیث سے دو محتمل معنوں میں سے ایک معنی کا تعیین کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[مجلّہ الحدیث: ۱۸،ص: ۲۷]۔

الغرض یہ کہ اس صریح اور بہت ہی واضح روایت سے بھی وہی مفہوم نکلتا ہے جسے اوپر پیش کیا گیا۔

بعض لوگوں کو جب کچھ سوجھائی نہیں دیتا تو جذباتی دلائل کے سہارے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب جذباتی دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ لوگ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے جہاد کو عبدالرحمٰن بن خالد اور یزید تک محدود کرنا چاہتے ہیں۔

یاللعجب! قارئین غور کریں کہ یہ کہہ دینے سے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ لشکر قسطنطنیہ میں وفات تک جہاد کرتے رہے، یہ کہاں لازم آ گیا کہ اس سے پہلے انہوں نے جہاد ہی نہیں کیا؟ یہاں تو صرف یہ بات ہو رہی ہے کہ لشکر قسطنطنیہ میں ان کا جہاد جاری رہا اس میں ان کے سابقہ غزوات کا انکار کہاں ہے؟

اگر موصوف ابوداؤد کی حدیث کے آخری ٹکڑے کا یہ مطلب لے رہے ہیں کہ اس میں

ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی میں مسلسل جہاد کی بات کہی گئی ہے تو اس سے تو ہمارا مفہوم اور قوی ہو جاتا ہے کیونکہ ہم لشکر قسطنطنیہ کو ان کی جہادی سرگرمی کی آخری کڑی مان رہے ہیں تو تسلسل کا حکم تبھی لگ سکتا ہے جب عین حکم کے وقت وفات متحقق ہو جائے۔ اگر اس غزوے میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی ہی نہیں تو پھر اسی مناسبت سے یہ کیسے کہہ دیا گیا کہ وہ مسلسل جہاد کرتے رہے جب کہ ابھی ان کی زندگی باقی ہے؟ اور مزید غزوات کے مواقع ممکن ہیں اور پتہ نہیں ان میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی شرکت ہو گی یا نہیں؟

یقیناً اس طرح کی شہادت اسی وقت کی مناسبت سے دی جاسکتی ہے جو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت ہو؟ اور اگر یہ وفات کا وقت نہیں تھا تو پھر یہ شہادت اسی غزوہ کی مناسبت سے دی جانی چاہئے جو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ ہو۔ بھلا کسی درمیانی غزوے میں یہ کہنے کی کیا مناسبت ہے کہ آپ زندگی بھر جہاد کرتے رہے؟

دریں صورت یہ بھی اس بات کی دلیل ہوگئی کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ یہی تھا۔ اور اسی کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے۔

بہر حال ہماری نظر میں ابوداؤد کی حدیث کے آخری ٹکڑے کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس میں جہاد قسطنطنیہ میں ابوایوب رضی اللہ عنہ کی دائمی شرکت اور وفات بتلائی گئی ہے۔ اور یہاں ان کے سابقہ غزوات کا ذکر ہی نہیں تو ان کا انکار کیسے لازم آ سکتا ہے۔

الغرض اس ٹکڑے کا جو بھی مفہوم لیا جائے ہر مفہوم اسی پر دلالت کرے گا کہ یہ غزوہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا آخری غزوہ تھا اور اسی کے امیر عام یزید بن معاویہ تھے۔

بطور فائدہ عرض ہے کہ عرب کے عالم دکتور صلابی نے بھی یہ رائے پیش کی ہے کہ اس غزوہ میں عبدالرحمٰن بن خالد مدینہ کی جماعت کے امیر تھے اور پورے لشکر کے عمومی امیر یزید بن معایہ ہی تھے چنانچہ موصوف نے کہا:

و كان القائد العام لهذه الفرقة هو يزيد بن معاوية بن أبى سفيان.

اس لشکر کے عمومی امیر یزید بن معاویہ بن ابی سفیان تھے۔[الدولة الأموية : ۳۵۰/۱]۔
اور ابوداؤد کی حدیث میں عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت سے متعلق ان کا قول نقل کیا جاچکا ہے کہ ان کی نظر میں وہ اہل مدینہ کے امیر تھے نہ کہ پورے لشکر کے عمومی امیر۔

عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخ وفات پر بحث:

بعض حضرات کا کہنا ہے مورخین نے عبدالرحمٰن بن خالد کے حملہ کی تاریخ ۴۴،۴۵،۴۶ ہجری بتلائی ہے۔ اور ۴۶ ہجری میں عبدالرحمان بن خالد کو زہر دے دیا گیا تھا اور ابوایوب کی وفات ۵۲ ہجری کو ہوئی ہے یہی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کا حملہ یزید کے لشکر سے پہلے تھا۔

عرض ہے کہ جن مؤرخین نے ۴۴،۴۵،۴۶ ہجری کی تاریخ بتلائی ہے انہوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کے صیفی اور شتائی، یعنی موسم گرما اور موسم سرما کے، تین الگ الگ حملوں کی الگ الگ تاریخ بتائی ہے، نہ کہ اس لشکر کی تاریخ جس میں عبدالرحمٰن بن خالد، اہل مدینہ کے ساتھ نکلے تھے جس کا تذکرہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

دراصل عبدالرحمٰن بن خالد کے یہ تین حملے صیفی یا شتائی حملے تھے اور تین الگ الگ حملے تھے، لیکن بدقسمتی سے ان تین الگ الگ حملوں کو ایک ہی سمجھ لیا گیا اور یہ باور کرلیا گیا کہ مؤرخین نے اس حملہ کی تاریخ بتانے میں اختلاف کیا ہے اور اس پر مزید بدحواسی یہ کہ اس حملہ کو ان تینوں جگہوں سے اٹھا کر ابوداؤد میں مذکور لشکر قسطنطنیہ سے جوڑ دیا گیا۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تین الگ الگ حملے ہیں نیز یہ تینوں حملے ابوداؤد کی حدیث میں مذکور لشکر قسطنطنیہ سے قبل کے ہیں۔ کیونکہ ان تین حملوں میں سے کسی بھی حملہ میں یہ صراحت نہیں ہے کہ فوج قسطنطنیہ تک پہنچ گئی تھی بلکہ اس کے برعکس یہ صراحت ہے کہ ان حملوں میں فوج قسطنطنیہ تک پہنچ ہی نہیں سکی تھی۔

❁ چنانچہ ۴۴ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد کے حملہ میں بعض مؤرخین نے اس بات کی

صراحت بھی کی ہے کہ اس وقت لوگ صرف قلونیہ تک پہنچ سکے تھے چنانچہ یعقوبی نے کہا:

سنة أربع وأربعون غزا عبد الرحمن بن خالد بن الوليد حتى بلغ قلونية.

۴۴ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید نے غزوہ کیا یہاں تک کہ قلونیہ تک پہنچ گے۔[تاريخ اليعقوبى:۔ص:۲۰۵]۔

❁ اور ۴۵ ہجری میں ان کے غزوے سے متعلق کہا:

سنة خمس وأربعون عبد الرحمن بن خالد بن الوليد وشتا بأرض الروم وبلغ أنطاكية.

۴۵ ہجری میں عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید نے ارض روم میں شتائی حملہ کئے یہاں تک کہ انطاکیہ تک پہنچ گئے۔[تاريخ اليعقوبى: ص:۲۰۵]۔

❁ اور ۴۶ ہجری میں ان کے حملہ کو شتائی حملہ بتاتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا:

سنة ست وأربعين فيها شتى المسلمون ببلاد الروم مع أميرهم عبد الرحمن بن خالد بن الوليد وقيل كان أميرهم غيره.

۴۶ ہجری میں مسلمانوں نے اپنے امیر عبدالرحمٰن بن خالد کے ساتھ سرزمین روم میں شتائی حملہ کئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حملہ میں امیر کوئی دوسرے تھے۔[البداية والنهاية مكتبة المعارف:۸/۳۰]۔

غور کریں ان تینوں تاریخوں میں سے پہلی دو تاریخوں میں یہ واضح ہے کہ اس وقت یہ فوج قلونیہ اور انطاکیہ ہی تک پہنچ سکی تھی اور تیسری تاریخ میں بھی مطلق ارض روم کا ذکر ہے نیز حملہ کو شتائی کہا گیا ہے اور قسطنطنیہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ نیز اس میں عبدالرحمٰن بن خالد کی امارت سے متعلق بھی اختلاف ہے، اور امام طبری نے اس تاریخ یعنی ۴۶ کے اس حملہ میں بطور امیر مالک بن عبداللہ کا نام بتلایا ہے اور اس کے بعد کہا:

وقيل: بل كان ذلک عبد الرحمن بن خالد بن الوليد، وقيل بل كان مالک

بن هبيرة السكوني.

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے امیر مالک بن ہبیرہ تھے۔[تاریخ الطبری:۔: ۲۲۷/۵]۔

معلوم ہوا کہ ان تینوں تاریخوں میں مؤرخین نے عبدالرحمٰن بن خالد کے جن حملوں کا ذکر کیا ہے اس سے مراد صیفی اور شتائی حملے ہیں نیز یہ تین الگ الگ حملے ہیں جو الگ الگ تاریخوں میں ہوئے اور ان میں کسی بار بھی فوج قسطنطنیہ تک نہیں پہنچ سکی۔

لہٰذا ان تین الگ الگ حملوں کو ایک سمجھنا ہی بہت بڑا لطیفہ ہے اور اس پر مزید مضحکہ خیزی یہ کہ اسے قسطنطنیہ پر حملہ کہہ دیا گیا۔ یہ حد درجہ ناسمجھی اور بدحواسی ہے۔

رہی بات یہ کہ ۴۶ ہجری ہی میں عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ہوگئی تھی کیونکہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا تو عرض ہے کہ زہر دینے والی بات بالکل گپ اور سبائیوں کی بنائی ہوئی ہے اور اگر ہم اس بات پر یقین کرلیں تو یہی بات اس بات کی دلیل بن جائے گی کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ۴۶ ہجری میں نہیں ہوئی ہے بلکہ ۵۷ ہجری میں ہوئی ہے۔

دراصل لوگ صرف اتنی بات نقل کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا گیا لیکن یہ نہیں بتاتے کہ انہیں زہر کس نے دیا تھا؟ اور کیوں زہر دیا تھا؟

قارئین یہ جان کر آپ حیران ہوں گے کہ جس روایت میں یہ ملتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا گیا اسی روایت میں یہ بھی ملتا ہے کہ یہ زہر دینے والے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھے انہوں نے ایک دشمن اسلام ''ابن اُثال'' کے ذریعہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دلوا کر ان کا قصہ ختم کردیا۔

اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی صراحت بھی اسی روایت میں ملتی ہے اور وہ یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت کی خاطر اہل شام سے مشورہ کیا تو انہوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کا نام پیش کیا۔ اس لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے

بیٹے یزید کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر ابن اُثال نامی شخص کے ذریعہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا جس سے وہ فوت ہو گئے۔ چنانچہ:

أبوالفرج الأصفہانی (المتوفی:٣٥٦) نے کہا:

أخبرني عمي قال حدثني أحمد بن الحارث الخراز قال حدثنا المدائني عن شيخ من أهل الحجاز عن زيد بن رافع مولى المهاجرين خالد بن الوليد وعن أبي ذئب عن أبي سهيل أو ابن سهيل أن معاوية لما أراد أن يظهر العهد ليزيد قال لأهل الشام إن أمير المؤمنين قد كبرت سنه ورق جلده ودق عظمه واقترب أجله ويريد أن يستخلف عليكم فمن ترون فقالوا عبد الرحمن بن خالد بن الوليد فسكت وأضمرها ودس ابن أثال الطبيب إليه فسقاه سما فمات.

ابو سہیل یا ابن سہیل سے مروی ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اہل شام سے کہا: امیر المؤمنین (یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کی جلد نرم پڑ گئی ہے ان کی ہڈیاں لاغر ہو گئی ہیں اور ان کی موت کا وقت قریب آچکا ہے۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کسی کو ولی عہد مقرر کر دیں تو تمہاری کیا رائے ہے؟ تو لوگوں نے عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا نام پیش کیا۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور یہ معاملہ اپنے دل میں چھپا لیا۔ اور ابن ثال نامی حکیم کو زہر دے کر عبدالرحمٰن بن خالد کے پاس بھیجا، اس نے انہیں زہر پلا دیا جس سے وہ فوت ہو گئے۔ [الأغانی لابی الفرج الأصبهانی: ٢٠٩/١٦ واسناده مظلم]۔

اس روایت کی سند پر تاریک ہے اس کے کئی رواۃ کا کوئی اتا پتا نہیں ملتا۔ اس بکواس اور سبائیوں کی بنائی ہوئی روایت میں یہ صراحت ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی زہر دیا اور یہ کام انہوں نے اپنی زندگی کے اخیر میں اس وقت کیا جب وہ یزید کی بیعت کے لئے لوگوں سے مشورہ کر رہے تھے۔

اور مؤرخین بتلاتے ہیں کہ یزید کی بیعت کے لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سن ۵۷ ہجری میں مشورہ کیا تھا۔[تاریخ الطبری:۔ ۳۰۱/۵]۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ۵۷ ہجری میں ہی ہوئی ہے۔لہٰذا اسی زہر والی روایت سے یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات سن ۴۶ ہجری میں ہوئی ہے۔

بہرحال عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دینے والی بات بالکل گپ ہے بلکہ کسی سبائی کی بنائی ہوئی کہانی ہے اور ایسی کوئی بھی صحیح روایت موجود نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دیا گیا اور جب غیر فطری موت کا ثبوت نہ ملے تو انسان کی اصل حالت فطری موت ہے اس لئے اصل حالت ہی کا اعتبار ہوگا بالخصوص جبکہ کئی ایک نے ان کے فطری وفات کی بھی صراحت کی ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ ان کو زہر دینا ثابت نہیں تو اب سوال یہ ہے کہ ان کی وفات کب ہوئی؟

تو عرض ہے کہ ان کی تاریخ وفات سے متعلق بھی مختلف روایات ہیں۔

☆امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے کہا:

وذكر الواقدى فى كتاب الصوائف أن عبد الرحمن مات سنة سبع وأربعين.

واقدی نے کتاب الصوائف میں کہا ہے کہ ان کی وفات ۴۷ ہجری کو ہوئی تھی۔ [تاریخ دمشق لابن عساکر:۔ ۳۳۴/۳۴]۔ نیز دیکھیں:[أسد الغابة ط العلمية:۔ ۴۳۶/۳]۔

بلکہ ۴۷ ہجری میں عبدالرحمان کے ایک غزوہ کا بھی تذکرہ ملتا ہے چنانچہ:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے نقل کیا:

وفى سنة سبع وأربعين غزوة عقبة بن عامر وعبد الرحمن بن خالد بن الوليد قبرس.

اور سن ۴۷ ہجری میں عقبہ بن عامر کا غزوہ اور عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا قبرس میں غزوہ ہوا۔[تاریخ دمشق لابن عساکر: ۳۲۹/۳۴]۔

☆ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی وفات ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی ہے چنانچہ:
امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے نقل کیا:

وولی سفیان بن عوف الغامدی حتی مات سفیان فولی معاویة عبد الرحمن بن خالد بن الولید.

اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے سفیان بن عوف غامدی کو صیفی حملوں کی ذمہ داری دی، اور جب ان کا انتقال ہوا تو یہ ذمہ داری عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کو دی۔ [تاریخ دمشق لابن عساکر:۔ ۳۲۹/۳٤]۔

نیز ابن عساکر نے کہا:

فلم یزل کذلک حتی مات سفیان فولی معاویة عبد الرحمن بن خالد بن الولید.

موسم گرما کے حملے میں سفیان بن عوف غامدی برابر مصروف رہے یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی اور ان کی وفات کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ذمہ داری عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کو دے دی۔ [تاریخ دمشق لابن عساکر:۔ ۳٤۹/۲۱]۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن خالد، سفیان بن عوف غامدی کی وفات کے وقت باحیات تھے اور سفیان بن عوف غامدی کی وفات ۵۲ ہجری میں ہوئی ہے چنانچہ:
امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) نے کہا:

سفیان بن عوف، الأزدی الغامدی الأمیر. شهد فتح دمشق، وولی غزو الصائفة لمعاویة، وتوفی مرابطا بأرض الروم سنة اثنتین وخمسین،

سفیان بن عوف الازدی، الغامدی یہ امیر تھے۔ یہ دمشق کی فتح میں تھے، انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں صیفی حملوں کی ذمہ داری سنبھالی اور سرزمین روم میں جہاد کرتے ہوئے سن ۵۲ ہجری میں وفات پائی۔ [تاریخ الإسلام ت بشار :۔ ۲/ ۵۰۱]۔

اس سے ثابت ہوا کہ سن ۵۲ ہجری کے بعد ہی عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات ہوئی ہے۔

☆ بلکہ ایک اور روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے سن ۶۱ ہجری تک بھی عبدالرحمٰن بن خالد باحیات تھے چنانچہ:

امام ابن سعد رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۳۰) نے روایت کیا:

عن يزيد بن الأصم قال: حضرت قبر ميمونة فنزل فيه ابن عباس وعبد الرحمن بن خالد بن الوليد و انا وعبيد الله الخولاني وصلى عليها ابن عباس قال محمد بن عمر: توفيت سنة إحدى وستين في خلافة يزيد بن معاوية.

یزید بن الاصم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں میمونہ رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت حاضر تھا ان کی قبر میں عبداللہ بن عباس اور عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید اور میں اور عبیداللہ الخولانی اترے اوران کی نماز جنازہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی محمد بن عمر نے کہا کہ ان کی وفات سن ۶۱ ہجری میں یزید بن معاویہ کی خلافت میں ہوئی۔[الطبقات الكبرى ط دار صادر : ۱٤٠/٨]۔

یادرے کہ روایات کی بنیاد پر بھی تاریخ وفات طے کی جاتی ہے بلکہ روایت کی بنیاد پر کسی اور کی ذکر کردہ تاریخ وفات کو رد بھی کردیا جاتا ہے چنانچہ:

امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی ۷۴۸) نے کہا:

قد ذكرناه في عشر الثمانين على ما نقله بعضهم من أنه توفي في خلافة المعتمد، ثم وجدت أن أبا أحمد بن عدي قد روى عنه، على ما ذكره الحافظ ابن عساكر، فيحرر هذا.

ہم نے ان (بلاذری) کا ذکر اسی (۸۰) کی دہائی میں کیا تھا اس وجہ سے کیونکہ بعض نے یہ نقل کیا تھا کہ معتمد کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی ہے لیکن پھر مجھے ملا کہ ابن عدی نے ان سے روایت بیان کی ہے جیسا کہ ابن عساکر نے ذکر کیا ہے اس لئے اس کی اصلاح کرلی جائے[تاریخ

الاِ سلام ت بشار:۶/۹۰۵]۔

اس سے معلوم ہوا کہ روایات سے بھی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات طے کی جاتی ہے۔

الغرض تمام روایات کی روشنی میں عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات سے متعلق یہ باتیں معلوم ہوئیں:

الف:- ان کی وفات سن ۴۶ ہجری میں ہوئی۔

ب:- ان کی وفات سن ۴۷ ہجری میں ہوئی۔

ج:- ان کی وفات سن ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی۔

د:- ان کی وفات سن ۶۱ ہجری کے بعد ہوئی۔

ان روایات میں سے کسی ایک روایت کی بھی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے لہٰذا ان تاریخوں میں کسی بھی ایک ہی تاریخ کو بالجزم عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخ وفات بتلانا درست نہیں۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر یہ صراحت کی ہے کہ جب کسی کی تاریخ وفات سے متعلق اختلاف ہو تو کسی ایک ہی تاریخ کو بالجزم تاریخ وفات نہیں بتلا سکتے، چنانچہ:

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سیدنا ابو اسید مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں ۳۰ھ، بعض کہتے ہیں ۶۰ھ یا ۷۰ھ یا ۸۰ھ یا ۴۰ھ دیکھئے: (تقریب التہذیب ۶۴۳۶، والاصابہ: ۱۱۵۵، ۱۱۵۶)۔ لہٰذا بعض الناس کا بالجزم آپ کی وفات ۳۰ ھجری قرار دینا غلط ہے۔''[نورالعینین: ص: ۲۶۹ جدید ایڈیشن نیز دیکھئے: مجلّہ الحدیث: ۱۸، ص: ۲۸]۔

مزید لکھتے ہیں:

''سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے بعض نے ۴۳ھ اور بعض نے ۴۶ھ اور ۴۷ھ کہا ہے۔ دیکھئے: (تہذیب الکمال: ۱۷/۲۴۰)۔

آپ کی صحیح تاریخ وفات نامعلوم ہے۔ یہ کہنا کہ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہو گئے تھے دعویٰ بلا دلیل ہے۔" [نور العینین: ص: ۲۶۹ جدید ایڈیشن نیز دیکھئے مجلّہ الحدیث: ۱۸،ص: ۲۸، ۲۹]۔

دریں صورت عبدالرحمٰن بن خالد کی اصل اور صحیح تاریخ وفات نامعلوم ہے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات سے قبل ان کے فوت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے ابوداؤد کی روایت میں جس لشکر میں ان کی شرکت کی بات ہے، اس لشکر کے یزید والے لشکر ہونے میں اور اسی میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے، بلکہ روایت کے سیاق وسباق اور اس کے تمام طرق کی روشنی میں یہی بات طے ہو جاتی ہے کہ یہ عین وہی لشکر ہے جس میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور جس کے عمومی امیر یزید بن معاویہ تھے جیسا کہ گذشتہ سطور میں مکمل تفصیل پیش کی گئی۔ اور یہ تفصیل بجائے خود اس بات کی دلیل بنتی ہے کہ عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات، یزید والے لشکر قسطنطنیہ سے قبل نہیں ہوئی ہے اور اس ثابت شدہ چیز کی بنیاد پر غیر ثابت تاریخ وفات ہی کا رد ہوگا نہ کہ غیر ثابت تاریخ وفات سے ثابت شدہ واقعہ کا رد کیا جائے گا۔

یعنی ثابت شدہ واقعہ کی بنیاد پر عبدالرحمٰن بن خالد کی تاریخ وفات سے متعلق وہ روایات مردود قرار پائیں گی جن میں ان کی تاریخ وفات، یزید والے لشکر قسطنطنیہ سے قبل بتائی جاتی ہے اور انہیں روایات کو ترجیح دی جائی گی جن میں ان کی تاریخ وفات، یزید والے لشکر قسطنطنیہ کے بعد بتلائی جاتی ہے۔ یعنی سن ۵۲ ہجری کے بعد عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات بتانے والی روایات راجح قرار پائیں گی۔

یاد رہے کہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات سے متعلق محمد بن عمر واقدی، امام یحییٰ بن بکر امام عمرو بن علی، امام ابن مندہ، امام ابراہیم بن منذر، امام ابن سعد، امام ابوسعید یونس، امام ابوحفص الفلاس اور امام ترمذی وغیرہم سے ۵۲ ہجری ہی کا قول منقول ہے دیکھئے: [تھـذیـب

الکمال للمزی: ۷۰/۸، تاریخ دمشق لابن عساکر:۶۱-۳۳/۱۶]۔

اور یزید کی امارت میں قسطنطنیہ پر حملے کی بھی صحیح تاریخ ۵۲ ہجری ہی ہے۔اس کی ایک دلیل تو اسی تاریخ میں ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات ہے اس کے علاوہ:

علامہ عینی رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۵) نے کہا:

وَقَالَ صَاحب (الْمرْآة): وَالأَصَح أَن يزِيد بن مُعَاوِيَة غزا القسنطينية فِي سنة اثْنَتَيْنِ وَخمسين.

صاحب مرآۃ نے کہا: کہ صحیح بات یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے سن ۵۲ ہجری میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔[عمدة القاری شرح صحیح البخاری:۱۹۸/۱٤]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی:۸۵۲) نے کہا:

قلت وكانت غزوة يزيد المذكورة في سنة اثنتين وخمسين من الهجرة.

میں کہتا ہوں کہ یزید بن معاویہ کا مذکورہ غزوہ (غزوہ قسطنطنیہ) سن ۵۲ ہجری میں ہوا۔[فتح الباری لابن حجر:۱۰۳/۶]۔

اور ماقبل میں بتایا جاچکا ہے کہ بعض روایات کی رو سے عبدالرحمٰن بن خالد کی وفات بھی سن ۵۲ ہجری کے بعد ہوئی ہے۔

تنبیہ بلیغ:

ابوداؤد کی یہ روایت صحیح ہے اس سے انکار نہیں ہے، لیکن حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابن وھب کی اس سند کی متابعت بھی موجود ہے چنانچہ موصوف نے کہا:

''ابن وہب کی سند کی متابعت بھی موجود ہے۔حافظ ابن عساکر نے کہا'': **اخبرنا ابو محمد بن الاكفاني بقراءتي عليه قال ثنا عبد العزيز بن احمد انبا ابو محمد بن ابي نصر انبا ابو القاسم بن ابي العقب انا احمد بن**

براهيم القرشي نا ابن عائذ نا الوليد نا عبد الله بن لهيعة و الليث بن سعد عن يزيد عن ابى عمران التجيبى قال غزونا القسطنطينية و على اهل مصر عقبة بن عامر الجهنى وعلى الجماعة عبد الرحمن بن خالد بن الوليد. [تاريخ دمشق مصور:۔ ج:۹،ص:۹۲۹]۔

اس سند میں لیث بن سعد صحاح ستہ کے مرکزی راوی اور ''ثقة ثبت فقیہ امام مشہور'' تھے۔(تقریب ص:۸۱۷)لیث بن سعد نے ابن وھب کے استاذ حیوہ بن شریح کی متابعت تامہ کر رکھی ہے والحمدللہ۔[الحدیث:۶،ص۶]۔

عرض ہے کہ یہ متابعت قطعاً ثابت نہیں ہے کیونکہ ابن عساکر کی سند میں لیث بن سعد سے نیچے ضعف موجود ہے۔اور وہ ولید بن مسلم القرشی ہیں جو تدلس تسویہ کرتے تھے اور انہوں نے اپنے سے اوپر سند کے تمام طبقات میں سماع کی صراحت نہیں کی ہے۔جب کہ تدلیس تسویہ سے متصف راوی کی سند صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ اپنے سے اوپر تمام طبقات میں سماع یا تحدیث کی صراحت کرے چنانچہ خود حافظ زبیرعلی زئی رحمہ اللہ ہی ایک مقام پر ایک دوسری روایت کو ضعیف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس روایت کے ایک راوی ولید بن مسلم مدلس تھے،آپ تدلیس تسویہ کرتے تھے دیکھئے:(تقریب التھذیب:۷۴۵۶)۔ تدلیس تسویہ کرنے والے راوی کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں وہ آخر تک سماع مسلسل کی تصریح کرے۔

[مجلّہ الحدیث:۔۲۰،ص:۵ نیز دیکھیں:اضواء المصابیح:ج۱ص۶۸ تحت الرقم ۳۲]۔

معلوم ہوا کہ خود حافظ زبیرعلی زئی رحمہ اللہ کے اصول کی روشنی میں بھی یہ روایت ضعیف ہے اور یہ متابعت ثابت ہی نہیں۔

بلکہ حافظ زبیرعلی زئی رحمہ اللہ کے ایک اور اصول جو ہماری نظر میں غلط ہے اس سے بھی یہ روایت ضعیف ثابت ہوتی ہے۔چنانچہ حافظ زبیرعلی زئی رحمہ اللہ کا اصول ہے کہ سند میں کوئی راوی

اپنے دو ایسے استاذ سے روایت کرے جس میں ایک ضعیف اور ایک ثقہ ہو تو یہ روایت بھی ضعیف ہوگی کیونکہ یہاں یہ معلوم نہیں کہ اس نے کس استاذ کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ اسی اصول کے تحت موصوف نے علامہ البانی رحمہ اللہ کی صحیح قرار دی ہوئی ایک روایت کو ضعیف قرار دیا ہے جس کی مفصل تردید ہم نے اپنی کتاب یزید بن معاویہ پر الزامات کا تحقیقی جائزہ میں ص ۴۷۰ تا ۴۷۴ پر کردی ہے۔

عرض ہے کہ یہاں بھی ولید بن مسلم اپنے دو استاذ سے نقل کررہے ہیں ایک لیث بن سعد ہیں اور دوسرے ابن لھیعہ ہیں اور ابن لھیعہ اخیر میں مختلط وضعیف ہوگئے تھے اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ولید بن مسلم نے ان سے اختلاط سے قبل روایت کیا، خود حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ صاحب نے ابن لھیعہ سے ان کے اختلاط سے قبل روایت کرنے والوں کی جو فہرست اپنی کتاب الفتح المبین ص: ۷۷۔۷۸ پر پیش کی ہے ان میں ولید بن مسلم کا نام نہیں پیش کیا ہے۔مزید یہ کہ یہاں ابن لھیعہ کا عنعنہ بھی ہے۔

لہٰذا حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ کے اپنے اس اصول سے بھی یہ روایت ضعیف ہے۔لہٰذا متابعت تامہ کا دعویٰ درست نہیں ہے۔

نویں روایت: (منذر بن الزبیر کا حملہ):

امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفی:۲۴۱) نے کہا:

حدثنا عبد الرزاق ، حدثنا معمر ، عن زيد بن أسلم ، عن عطاء بن يسار ، أن امرأة ، حدثته قالت: نام رسول الله ﷺ ثم استيقظ وهو يضحك فقلت: تضحك مني يا رسول الله ؟ قال: لا ، ولكن من قوم من أمتي يخرجون غزاة في البحر مثلهم مثل الملوك على الأسرة ، قالت: ثم نام ، ثم استيقظ ، أيضا يضحك ، فقلت: تضحك يا رسول الله مني ، قال: لا ، ولكن من قوم من أمتي يخرجون غزاة في البحر فيرجعون قليلة غنائمهم مغفورا لهم قالت ادع

اللہ أن یجعلنی منهم فدعا لها قال فأخبرنی عطاء بن یسار قال فرأیتها فی غزاة غزاها المنذر بن الزبیر إلی أرض الروم هی معنا فماتت بأرض الروم.

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوئے پھر بیدار ہوئے اور ہنس رہے تھے۔تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ! بلکہ اپنی امت کی اس قوم پر ہنس رہا ہوں جو سمندر میں جہاد کے لئے اسی طرح نکلیں گے جیسے باشاہ اپنے تختوں پر بیٹھے ہوں ۔ یہ کہتی ہیں کہ: پھر آپ سو گئے اور پھر دوبارہ بیدار ہوکر ہنسنے لگے۔تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا آپ مجھ پر ہنس رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں ! بلکہ اپنی امت کی اس قوم پر ہنس رہا ہوں جو سمندر میں جہاد کے لئے نکلیں گے اور تھوڑا مال غنیمت لے کر واپس ہوں گے یہ سب کے سب مغفور ہوں گے۔انہوں نے کہا: آپ میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ مجھے بھی ان لوگوں میں سے بنادے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ۔ پھر مجھے عطاء نے بتاتے ہوئے کہا کہ: میں نے انہیں اس غزوہ میں دیکھا جس میں منذر ابن الزبیر سرزمین روم کی جانب نکلے تھے،اس میں یہ ہمارے ساتھ تھیں اور سرزمین روم ہی میں فوت ہوگئیں۔[مسند أحمد ط المیمنیة: ٦/ ٤٣٥]۔

اس روایت کو پیش کرکے ایک صاحب کہتے ہیں کہ اس میں بھی دو غزوہ کا ذکر ہے اور دوسرا غزوہ وہی ہے جو ام حرام کی حدیث میں ہے اور یہاں اس روایت میں وضاحت ہے کہ یہ غزوہ منذر بن الزبیر نے کیا۔اس سے ثابت ہوا کہ یزید اس لشکر کا امیر نہیں تھا۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

یہ روایت ضعیف ومردود ہے کیونکہ یہ اصلاً ام حرام ہی کے واقعہ والی حدیث ہے لیکن راوی کی غلطی سے یہ علیحدہ روایت بن گئی ہے۔اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

☆(الف): امام دارقطنی رحمہ اللہ(المتوفی:۳۸۵) کی کتاب علل میں ہے:

وسئل عن حديث عطاء بن يسار، عن أم حرام الأنصارية كنت عند النبی صلى الله عليه وسلم وهو نائم فضحک، فاستيقظ فسألته فقال: عرض على قوم من أمتي يركبون البحر...الحديث.فقال: يرويه زيد بن أسلم، واختلف عنه: فرواه حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أم حرام.قال ذلک زهير بن عباد عنه. وقال ابن وهب، عن حفص بن ميسرة، عن زيد بن أسلم، عن عطاء ، أو امرأة كانت عند النبی صلى الله عليه وسلم وأم فضل أم حرام.وقال معمر: عن زيد بن أسلم، عن عطاء أن امرأة حذيفة، قالت: نام رسول الله صلى الله عليه وسلم. ووهم فيه، وإنما هی أم حرام بنت ملحان امرأة عبادة بن الصامت.

امام دارقطنی رحمہ اللہ سے عطاء بن یسار کے طریق سے مروی ام حرام الانصاریہ کی اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا: (میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی وہ سورہے تھے پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے تو میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے وہ لوگ پیش کئے گئے جو سمندر میں جہاد کریں گے...) تو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا: اس روایت کو زید بن اسلم روایت کرتے ہیں اور ان کے بعد ان سے روایت کرنے والوں نے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ چنانچہ حفص بن میسرہ نے زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ام حرام کے طریق سے روایت کیا، اسے زہیر بن عباد نے حفص بن میسرہ سے بیان کیا ہے۔ اور ابن وہب نے **عن حفص بن ميسره عن زيدبن اسلم عن عطا أو امرأة كانت عند النبی ﷺ وأم فضل أم حرام.** سے روایت کیا ہے۔ اور معمر نے عن زید بن اسلم عن عطاء کے طریق سے روایت کرتے ہوئے کہا: کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سوئے۔ اس روایت کو بیان کرنے میں معمر وہم کے شکار ہوئے ہیں حقیقتاً یہ روایت ام حرام بنت ملحان سے

مروی ہے جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔[علل الدارقطنی:۔ ۱۵/ ۴۱۴]۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہاں معمر کے بیان ''امرأة حذيفة'' کو غلط اور مبنی بر وہم قرار دیا ہے بعض معاصرین کی تحقیق یہ ہے کہ مصنف عبدالرزاق ہی میں تصحیف ہوئی ہے اور یہاں اصل الفاظ ''ان امرأة حديثته'' ہیں۔دیکھیں حاشیہ:[مسند أحمد ط الرسالة :۔ ۴۵/ ۴۴۵]۔

لیکن تاریخ ابن عساکر میں عبدالرزاق ہی کے ایک دوسرے طریق میں بھی ''امرأة حذيفة '' کے الفاظ ہیں اوراس میں یہ بھی ہے حذیفہ کی بیوی نے یہ روایت ام حرام ہی سے نقل کی ہے، آگے یہ روایت آرہی ہے۔

بہرحال معاملہ کچھ بھی ہو بہرصورت امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہ روایت اصلاً ام حرام ہی کی روایت ہے۔لہٰذا ام حرام رضی اللہ عنہا کی معروف ومشہور حدیث کے خلاف جو کچھ بھی اس روایت میں ملے گا وہ امام دارقطنی کی نظر میں معمر کا وہم قرار پائے گا۔

☆ (ب): امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ام حرام ہی کی حدیث قرار دیا ہے چنانچہ معمر ہی کے طریق سے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کہا:

وساق هذا الخبر يزيد وينقص،

اس روایت میں راوی نے یہی حدیث (حدیث ام حرام) بیان کی ہے اور کچھ گھٹا بڑھا دیا ہے۔[سنن أبي داؤد:۳/ ۷]۔

☆ (ج): اسی طریق کی ایک روایت میں ام حرام کے نام رمیصاء کی صراحت ہے، چنانچہ:

امام أبوداؤد رحمہ اللہ (المتوفی:۲۷۵) نے کہا:

حدثنا يحيى بن معين، حدثنا هشام بن يوسف، عن معمر، عن زيد بن أسلم، عن عطاء بن يسار، عن أخت أم سليم الرميصاء قالت: نام النبي صلى الله عليه وسلم فاستيقظ وكانت تغسل رأسها فاستيقظ وهو يضحک، فقالت: يا رسول الله، أتضحک من رأسي؟ قال: لا وساق هذا الخبر يزيد وينقص، قال أبو

داؤد: الرميصاء أخت أم سليم من الرضاعة.

سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ رمیصاء سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے، پھر جاگے جبکہ یہ اپنا سر دھو رہی تھیں، آپ ﷺ جاگے تو ہنس رہے تھے، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ میرے سر پر ہنس رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' اور پوری حدیث بیان کی جس میں کچھ کمی بیشی ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں رمیصاء ام سلیم رضی اللہ عنہا کی رضاعی بہن ہیں اور یہی ام حرام بنت ملحان ہیں۔ [سنن أبي داؤد: ۷/۳، رقم: ۲۴۹۲]۔

اس روایت میں ام سلیم کی بہن کا نام رمیصاء ذکر ہے جیسا کہ روایت کے اخیر میں امام ابوداؤد نے بھی مزید صراحت کی ہے۔

ابوداؤد کی اس حدیث کی شرح میں علامہ عظیم آبادی فرماتے ہیں:

وَالرُّمَيْصَاء ُهَذِهِ هِيَ أُمُّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ.

اس روایت میں مذکور رمیصاء یہ ام حرام بنت ملحان ہیں۔ [عون المعبود :۔ ۱۲۲/۷]۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ام سلیم کا نام رمیصاء بتلایا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا:

وقال بن عبد البر الغميصاء والرميصاء هي أم سليم ويرده ما أخرج أبو داود بسند صحيح عن عطاء بن يسار عن الرميصاء أخت أم سليم.

ابن عبدالبر نے کہا کہ: غمیصاء اور رمیصاء یہ ام سلیم ہیں۔ اور اس کی تردید اس روایت سے ہوتی ہے جسے امام ابوداؤد نے صحیح سند سے عطاء بن یسار کے طریق سے نقل کیا ہے اور وہ رمیصاء یعنی ام سلیم کی بہن سے روایت کرتی ہیں۔ [فتح الباری لابن حجر:۔ ۷۲/۱۱]۔

الغرض یہ کہ یہ روایت بھی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ معمر کی بیان کردہ یہ حدیث بھی ام حرام ہی کی حدیث ہے۔ لہٰذا ام حرام کی معروف ومشہور حدیث کے خلاف اس میں کوئی بات ملے

گی تو شاذ ہوکر مردود قرار پائے گی۔

☆ (د): عطاء بن یسار والی روایت کے بعض طرق میں ام حرام نام کی مکمل صراحت ہے جیسا کہ امام دارقطنی نے کہاہے کما مضیٰ ، اور حافظ ابن حجر نے بھی یہی بات کہی ہے کما سیاتی۔ اوراس کے خلاف اس کے کسی ایک بھی طریق میں ام حرام کے علاوہ کسی اور خاتون کا نام ذکر نہیں ہے۔

☆ (ھ): قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اس روایت میں مذکور صحابیہ خاتون اللہ کے نبی ﷺ کو سوتے اور اٹھتے دیکھ رہی ہیں۔

نیز ابوداؤد میں یہ الفاظ بھی ہیں:

وكانت تغسل رأسها فاستيقظ وهو يضحك، فقالت: يا رسول الله، أتضحك من رأسي؟

یعنی یہ عورت اپنا سر دھل رہیں تھیں، اسی دوران اللہ کے نبی ﷺ جاگ گئے، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ میرے سر پر ہنس رہے ہیں؟[سنن أبی داؤد:۳/۷،رقم:۲۴۹۲]۔

یہ پورا سیاق بتلاتا ہے کہ اس صحابیہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ محرم جیسا تھا۔اور ایسا ہی معاملہ ام حرام والی حدیث میں بھی ہے اوراس کی تشریح میں بعض اہل علم نے یہی کہا ہے کہ ام حرام کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم محرم تھے اس لئے ایسا برتاؤ تھا۔دیکھئے:[إشكال وجوابه فی حديث أم حرام بنت ملحان ـتاليف:أبو عمر علی بن عبد الله بن شديد الصياح المطيری]۔

سوال یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ الگ ہے تو یہ کون صحابیہ تھیں جس کے ساتھ آپ ﷺ محرم جیسا برتاؤ کررہے تھے؟ یقیناً ام حرام اوران کے گھرانے کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ آپ ﷺ کا ایسا برتاؤ قطعاً نہیں ہوسکتا۔اس لئے آپ ﷺ کا یہ برتاؤ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اس حدیث میں

بھی ام حرام ہی کا واقعہ ہے۔ چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں صراحت بھی ہے کہ یہ ام سلیم کی بہن تھیں اور ام سلیم کی بہن ام حرام ہی ہیں، جیسا کہ اسی روایت کے دیگر طرق میں صراحت کے ساتھ ام حرام ہی کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو الگ واقعہ مان کر یہ کہا ہے کہ یہ دوسری خاتون ام سلیم کی دوسری بہن ام عبداللہ بن ملحان تھیں۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے بلکہ صرف یہ کہا کہ:

ولعلها أختها أم عبد الله بن ملحان فقد ذكرها بن سعد في الصحابيات وقال إنها أسلمت وبايعت ولم أقف على شيء من خبرها إلا ما ذكر بن سعد.

شاید یہ ام سلیم کی بہن ام عبداللہ بن ملحان تھیں چنانچہ ابن سعد نے انہیں صحابیات میں ذکر کیا اور کہا کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور بیعت کی تھی، اور میں ابن سعد کی ذکر کردہ بات کے علاوہ اس صحابیہ کے بارے میں کسی اور معلومات پر واقف نہیں ہوسکا۔[فتح الباری ر: ۱۱/۷۷]۔

لیکن ام سلیم کی ایک اور بہن ہونے سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ اس حدیث میں مذکور خاتون یہی ہیں؟

اور ابوداؤد کی مذکورہ روایت میں جو یہ ہے کہ :''**عن أخت أم سليم الرميصاء**'' یعنی یہ روایت ام سلیم کی بہن رمیصاء سے مروی ہے۔

تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خاتون ام سلیم کی بہن تھی؟ لیکن یہ کہاں ثابت ہوا کہ یہ دوسری بہن ام عبداللہ بن ملحان تھیں؟ بلکہ ابوداؤد کی اسی روایت میں ام سلیم کی اس بہن کا نام رمیصاء کی بھی صراحت ہے اور گذشتہ سطور میں ابوداؤد کی یہ حدیث پیش کر کے اہل علم کے اقوال سے واضح کیا گیا ہے اس حدیث میں ام سلیم کی بہن رمیصاء ہیں اور یہ ام حرام ہی ہیں۔

بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول بھی پیش کیا جا چکا ہے کہ موصوف نے ابوداؤد کی اسی روایت کی بنیاد پر ابن عبدالبر پر رد کیا ہے۔

نیز اسی روایت کے دیگر طرق میں یہاں ام سلیم کی بہن ام حرام کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا بلکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی ام حرام کی صراحت والے طرق کو ذکر کیا ہے کما سیاتی۔ یہ طرق اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ یہ بہن ام حرام ہی تھیں نہ کہ ام عبداللہ بن ملحان۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے چونکہ اس واقعہ کو الگ واقعہ مانا ہے اس لئے اس بات پر مجبور ہیں کہ اس صحابیہ کو کوئی اور صحابیہ ثابت کریں اور ام سلیم سے اس کا رشتہ بھی ثابت کریں لیکن اس سلسلے میں موصوف کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

بلکہ دلیل تو ان کے مخالف ہے کیونکہ خود انہیں کے بقول اس روایت کے بعض طرق میں ام حرام کی پوری صراحت ہے لیکن حافظ موصوف نے بغیر کسی قوی دلیل کے اسے وہم کا نتیجہ کہہ دیا چنانچہ لکھتے ہیں:

وأخرجه بن وهب عن حفص بن ميسرة عن زيد بن أسلم فقال في روايته عن أم حرام وكذا قال زهير بن عباد عن زيد بن أسلم والذي يظهر لي أن قول من قال في حديث عطاء بن يسار هذا عن أم حرام وهم.

ابن وہب نے عن حفص بن میسرۃ عن زید بن اسلم کے طریق سے روایت کیا اور اپنی روایت میں عن ام حرام کہا ہے۔ اور اسی طرح زہیر بن عباد نے زید بن اسلم کے طریق سے روایت کرتے ہوئے ام حرام کہا ہے۔ اور مجھے بظاہر جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ جن لوگوں نے عطاء بن یسار کی اس حدیث میں عن ام حرام کہا ہے انہیں وہم ہوا ہے۔[فتح الباری لابن حجر:۔ ۷۶/۱۱]۔

عرض ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے محض اس واقعہ کو الگ ثابت کرنے کے لئے بغیر کسی دلیل کے رواۃ کے متفقہ بیان کو وھم قرار دیا ہے۔غور کرنے کی بات ہے کہ اس روایت کے کسی بھی طریق میں ام حرام کے علاوہ کسی دوسری خاتون کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے اور جن جن لوگوں نے

نام ذکر کیا ہے سب نے متفقہ طور پر ام حرام ہی کا نام ذکر کیا تو پھر ایک نام جس کے بیان پر رواۃ کی ایک جماعت متفق ہے اور اس کی مخالفت کا کوئی وجود ہی نہیں اس میں وہم کی گنجائش کہاں سے آ گئی؟

بلکہ رواۃ کے اس متفقہ بیان کے خلاف اگر کسی ایک روایت میں کوئی اور نام مل بھی جائے تو بھی اس منفرد بیان ہی کو وہم کہا جائے گا نہ کہ رواۃ متفقہ بیان کو۔

جیسا کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ایک روایت میں ''امرأۃ حذیفہ'' کے الفاظ دیکھے تو اسے راوی کا وہم قرار دیا کیونکہ دیگر رواۃ نے متفقہ طور پر ''ام حرام'' ہی کا ذکر کیا ہے جو عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔

لیکن اسی روایت کے اندر ایک دوسرے طریق میں یہ بھی وضاحت کہ حذیفہ کی بیوی نے یہ روایت ام حرام ہی سے نقل کی ہے۔ دریں صورت اس روایت میں بھی ام حرام ہی کی صراحت ہے۔

ممکن ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کو بنیاد بنایا ہو کہ اگر اس روایت میں ام حرام کو مان لیں تو عطاء بن یسار سے ان کا سماع محل نظر ہے چنانچہ موصوف نے:

أن عطاء بن يسار ذكر أنها حدثته وهو يصغر عن إدراك أم حرام وعن أن يغزو فی سنة ثمان وعشرين بل وفی سنة ثلاث وثلاثين لأن مولده علی ما جزم به عمرو بن علی وغيره كان فی سنة تسع عشرة.

عطاء بن یسار نے ذکر کیا ہے کہ اس خاتون نے انہیں بیان کیا، اور وہ ام حرام سے روایت کرنے میں بہت چھوٹے ہیں نیز سن ۲۸ ہجری میں بلکہ ۳۳ ہجری میں ان کا غزوہ میں اس چھوٹی عمر میں شریک ہونا بھی محل نظر ہے کیونکہ عمرو بن علی وغیرہ نے ان کی تاریخ پیدائش ۱۹ ہجری بتلائی ہے۔[فتح الباری لابن حجر :۔ ۱۱/۷۷]۔

عرض کہ جہاں تک ام حرام سے عطاء بن یسار کے سننے کی بات ہے تو خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

نے کہا کہ عطاء کی پیدائش ۱۹ ہجری ہے اور ام حرام کی وفات ۲۸ ہجری میں ہوئی ہے پھر نو سال کی عمر میں ام حرام کی معاصرت ان کو حاصل ہے ایسی صورت میں ام حرام سے ان کے سماع میں کیا دشواری ہے؟ بلکہ نو سال سے کم عمر میں بھی ان کے سماع میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

رہی یہ بات کہ اس روایت میں غزوہ میں جس خاتون کی وفات بتلائی گی ہے اگر یہ ام حرام ہیں تو یہ غزوہ ۲۸ ہجری میں ہوا اور اس میں عطاء بن یسار کی شرکت محل نظر ہے۔ تو عرض ہے کہ اس روایت میں ام حرام کے غزوہ کا ذکر ہی نہیں بلکہ کسی اور خاتون اور منذر بن الزبیر کا ذکر ہے اور یہ چیز راوی کا وہم ہے یعنی غزوے میں منذر بن الزبیر اور دوسری خاتون کا ذکر ہی مبنی بر وہم ہے لہٰذا وہم کو بنیاد بنا کر حقائق کا رد نہیں کیا جائے گا بلکہ حقائق کو بنیاد بنا کر وہم کو رد کیا جائے گا۔

نیز اگر ہم یہ بھی مان لیں کہ غزوہ میں جس خاتون کا ذکر ہے وہ صحابیہ ام حرام رضی اللہ عنہا ہی ہیں تو اس صورت میں ممکن ہے کہ عطاء بن یسار نے روایت کا یہ حصہ کسی اور واسطے سے سنا ہو اور اسی نے اس غزوہ میں شرکت کی ہو، اور راوی کے وہم سے اس بات کی نسبت عطاء کی طرف ہوگئی ہو۔ اس احتمال کی گنجائش اس لئے ہے کیونکہ اسی طریق کی ایک روایت میں یہ بھی صراحت ہے کہ عطاء بن یسار نے یہ روایت ایک خاتون کے واسطہ سے بیان کی اور اس خاتون نے ام حرام کی اصل حدیث بیان کی ہے۔ جیسا کہ آگے یہ روایت آ رہی ہے۔

☆ (و) امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی: ۵۷۱) نے کہا:

أخبرنا أبو الحسن علی بن محمد الخطيب أنا محمد بن الحسن بن محمد أنا أحمد بن الحسين بن زنبيل أنا عبدالله بن محمد بن عبدالرحمن بن الخليل نا محمد بن إسماعيل نا محمد بن عبدالله نا عبدالرزاق نا معمر عن زيد بن أسلم عن عطاء بن يسار أن امرأة حذيفة حدثت بحديث أم حرام فی الغزو قال فأخبرنا عطاء بن يسار قال فرأيتها فی غزاة المنذر بن الزبير إلى أرض الروم وهی معنا فماتت بأرض الروم.

عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ حذیفہ کی بیوی نے انہیں ام حرام کی حدیث بیان کی غزوہ کے سلسلے میں، راوی کہتے ہیں کہ پھر عطاء نے کہا: پھر میں نے اسے دیکھا اس غزوہ میں جس میں منذر بن الزبیر روم کی طرف نکلے تھے اور یہ عورت ہمارے ساتھ تھی پھر سرزمین روم ہی میں اس کی وفات ہوگئی۔[تاریخ دمشق لابن عساکر:۔ ۲۸۰/۷۰]۔

یہ روایت سند کے اعتبار سے عطاء بن یسار تک بالکل صحیح ہے۔

عطاء سے عبدالرزاق تک سارے رجال ثقہ ہیں اور عبدالرزاق سے اسے محمد بن عبداللہ نے نقل کیا ہے۔ یہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ الذہلی ہیں جو عبدالرزاق کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ ہیں (عام کتب رجال) یہ بہت بڑے محدث ، جرح وتعدیل کے امام، بلکہ امیرالمؤمنین فی الحدیث ہیں۔ان سے یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے لے کر اپنی کتاب التاریخ الصغیر میں درج کیا۔اور پھر اس کتاب کو لوگوں نے روایت کرنا شروع کیا اور یہاں امام بخاری سے لیکر ابن عساکر تک جو سند ہے وہ امام بخاری کی کتاب التاریخ الصغیر کی سند ہے۔دیکھئے:[موارد ابن عساکر فی تاریخ دمشق :ج:۳،ص : ۱۷۰۰]۔

مزید یہ کہ اس کتاب کی سند بھی صحیح ہے اس کے سارے رجال ثقہ ہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اسی کتاب کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے **"بإسناد لا بأس به"** کہا ہے۔دیکھئے:[تہذیب التہذیب لابن حجر:۲۱٦/٦، طبقات المدلسین لابن حجر ت القریوتی:ص ٤٠]۔اور یہ روایت بھی ابن عساکر میں التاریخ الصغیر کی اسی سند کے ساتھ موجود ہے۔[تاریخ دمشق لابن عساکر : ۷۱/۳۵]۔ نیز [المعجم المفهرس للحافظ ابن حجر: ۲۵۲/۱] میں بھی امام بخاری کی التاریخ الصغیر کی یہی سند مذکور ہے۔معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں بھی اس التاریخ الصغیر کے نسخہ کی سند صحیح ہے۔

اب اس روایت پر غور کریں اس روایت میں بالکل صراحت ہے عطاء بن یسار نے ام حرام ہی کی روایت بیان کی ہے یہ روایت بھی اسی بات کی دلیل ہے کہ عطاء بن یسار کی روایت حقیقتاً ام

حرام والی روایت ہی ہے۔لہٰذا اس روایت کے اندر ام حرام کی معروف ومشہور اور محفوظ حدیث کے خلاف جو کچھ بھی ملے گا وہ شاذ قرار پاکر ضعیف ومردود ہوگا۔

ثانیاً:-

اگر ہم معمر کی اس روایت کو صحیح مان کر یہ کہیں کہ یہ الگ واقعہ ہے تو پھر اس واقعہ کو پوری طرح سے الگ واقعہ ماننا ہوگا اور ام حرام کے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

کیونکہ اگر ام حرام کے واقعہ سے اسے جوڑا گیا تو یہ روایت صحیح ترین روایات کے خلاف ہونے کے سبب شاذ ہوکر مردود قرار پائے گی یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو ام حرام ہی کا واقعہ مانا اور پھر اس کے اندر ام حرام کی حدیث کے خلاف جو چیز نظر آئی اسے معمر کا وہم کا قرار دے کر اسے مردود قرار دیا ہے کما مضیٰ۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو الگ مانا ہے تو کلی طور سے اسے الگ مانا ہے اور ام حرام کے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں جوڑا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان دونوں واقعات میں تفریق کے جو دلائل دئے ہیں وہ اس بات پر غماز ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعہ کو پورے طور سے الگ واقعہ مانتے ہیں:

مثلاً حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس واقعہ کے الگ ہونے کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثانی ظاهر رواية أم حرام أن الفرقة الثانية تغزو فی البر وظاهر رواية الأخرى أنها تغزو فی البحر.

ام حرام کے واقعہ میں یہ ہے کہ دوسرا لشکر خشکی میں جہاد کرے گا جبکہ دوسرے واقعہ میں یہ ہے کہ دوسرا لشکر سمند میں جہاد کرے گا۔[فتح الباری لابن حجر:۔ ۱۱/۷۷]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ تفریق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دوسرے واقعہ کو کلی طور پر دوسرا واقعہ مانتے ہیں یعنی اس میں جس دوسرے لشکر کا ذکر ہے اس سے مراد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی نظر میں وہ دوسرا لشکر یعنی اول جیش نہیں ہے جس کا ذکر ام حرام کے واقعہ میں ہے۔

اس کی مزید تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اول جیش والے الفاظ کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے معمر کی روایت میں مذکور اس دوسرے لشکر کا نام تک نہیں لیا اور نہ ہی اس کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ کیا، بلکہ اول جیش کی تشریح میں تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید کو بالاتفاق اس لشکر کا امیر قرار دیا ہے جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، جیسا گذشتہ سطور میں گذرا دیکھئے: ص ۱۳۔

اگر معمر کی روایت میں دوسرے نمبر پر بیان کردہ لشکر کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے وہی لشکر سمجھا ہوتا جس کا ذکر ام حرام کی روایت میں دوسرے نمبر پر اول جیش کے الفاظ میں ہے۔تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اول جیش کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی کہتے کہ اس میں منذر بن الزبیر کے ساتھ ام حرام کی بہن ام عبداللہ بھی شریک تھیں۔

لیکن آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اول جیش سے متعلق منذر بن زبیر اور کسی عورت کا نام تک نہیں لیا ہے بلکہ اس کے برعکس صرف یزید کا تذکرہ کیا ہے اور اسے اس کا امیر بتلایا ہے بلکہ اس پر امت کا اتفاق نقل کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ معمر کی روایت میں دوسرے نمبر پر مذکور لشکر کو مغفور لھم ضرور کہا گیا لیکن اس کے ساتھ نہ تو اسے مدینہ قیصر پر حملہ کرنے والا بتلایا گیا ہے اور نہ ہی اس کام میں اسے اول جیش کہا گیا ہے۔اور چونکہ یہ طے کردیا گیا کہ یہ الگ واقعہ ہے لہٰذا اس واقعہ کو الگ ماننے کے بعد اس میں مذکور لشکر سے ام حرام والی روایت میں مذکور لشکر کو مراد لینا محتاج دلیل ہے۔اور اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ یہ بالکل الگ لشکر ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ معمر کی بیان کردہ روایت میں جس دوسرے لشکر کا ذکر ہے اس کا اس لشکر سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کا ذکر ام حرام کی روایت میں اول جیش کے الفاظ میں دوسرے نمبر پر مذکور ہے۔

تو یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ معمر کی روایت میں مذکور دوسرے لشکر سے اول جیش

مراد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اول جیش تو ام حرام والی روایت میں مذکور لشکر کو کہا گیا ہے، اور معمر والی روایت میں مذکور لشکر کوئی اور لشکر ہے کیونکہ یہ کلی طور سے الگ واقعہ ہے۔ اور اسے مدینہ قیصر پر حملہ کرنے والا اول لشکر نہیں کہا گیا ہے اس لئے یہ لشکر لازمی طور پر اول جیش کے علاوہ کوئی لشکر ہے۔

نیز معمر والی روایت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں دوسرے لشکر کو مدینہ قیصر (قسطنطنیہ) پر حملہ کرنے والا نہیں بتلایا گیا ہے اور اخیر میں راوی نے جو صراحت کی ہے وہ بھی صرف اس قدر ہے کہ مذکورہ خاتون کی وفات سرزمین روم میں ہوئی ہے یہاں بھی مدینہ قیصر یا قسطنطنیہ کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اول جیش سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اب یہ واقعہ کسی بھی سن کا رہا ہو اور اس کے امیر کوئی بھی رہے ہوں۔ اس سے کچھ لینا دینا نہیں کیونکہ اس لشکر کا مدینہ قیصر یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کرنا ثابت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے متعلقہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔

ثالثاً:۔

اگر ہم اس واقعہ کو دوسرا واقعہ ماننے کے ساتھ ساتھ یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اس میں جس دوسرے لشکر کا بیان ہوا وہ اول جیش ہی ہے تو بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس لشکر میں یزید بن معاویہ شریک نہیں تھے یا وہ اس لشکر کے امیر نہیں تھے۔

کیونکہ اس پوری روایت میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ اس لشکر کے امیر منذر بن الزبیر تھے بلکہ روایت میں صرف یہ ذکر ہے کہ منذر بن الزبیر نے غزوہ کیا اور ان کے ساتھ یہ خاتون تھی۔ ان الفاظ سے صرف یہ معلوم ہوتا کہ اس غزوہ میں منذر بن الزبیر بھی تھے، ان کے امیر ہونے کی بات یہاں نہیں ہے۔ بلکہ انہیں امیر بھی مان لیں تو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ کسی خاص گروہ کے امیر رہے ہوں نہ کہ پورے غزوہ کے عمومی امیر۔

دریں صورت جب دیگر صحیح روایت میں یہ واضح ثبوت مل رہا ہے کہ اس غزوہ کے امیر یزید تھے تو صحیح روایات کے پیش نظر یہ ماننا لازم ہے کہ یہ لشکر وہی لشکر تھا جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور اس کے اصل امیر یزید بن معاویہ تھے۔

چنانچہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو دوسرا واقعہ ماننے کے بعد یہی صراحت کی ہے کہ یہ وہی لشکر ہے جس نے یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا چنانچہ:

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (المتوفی:۵۷۱) نے کہا:

أم حرام كانت من الفوج الأول الذين غزوا قبرس فى خلافة عثمان وهذه من الفوج الآخر وإنما غزا المنذر بن الزبير القسطنطنية مع يزيد بن معاوية فى أيام أبيه.

ام حرام اس پہلے لشکر میں تھیں جس نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قبرس پر حملہ کیا اور یہ خاتون دوسرے لشکر میں تھیں، اور منذر بن الزبیر نے یزید بن معاویہ کے ساتھ ان کے والد کے دور میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔[تاریخ دمشق لابن عساکر:۔ ۲۸۰/۷۰]۔

اسی طرح امام ذہبی رحمہ اللہ (المتوفی:۷۴۸) جنہوں نے یزید کی مذمت بھی کی ہے وہ بھی فرماتے ہیں:

المنذر بن الزبير الأسدى أبو عثمان ،الأمير، أبو عثمان، أحد الأبطال. ولد: زمن عمر. وكان ممن غزا القسطنطينية مع يزيد.

منذر بن الزبیر اسدی ابوعثمان ، یہ امیر تھے ، بہادروں میں سے ایک تھے ، ان کی پیدائش عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے یزید کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔[سیر أعلام النبلاء للذهبی:۔۳۸۱/۳]۔

جن صاحب نے یزید کو اول جیش سے خارج کرنے کے لئے یہ نئی اور بے مطلب کی دلیل تلاش کی ہے وہ صاحب بڑی خوش فہمی میں کہتے ہیں کہ جن علماء نے بھی یزید کو اس لشکر میں شامل مانا ہے ان سے غلطی ہوئی کیونکہ ان کی نظر اس روایت پر نہیں تھی اگر انہوں نے یہ روایت دیکھ لی ہوتی تو ان سے یہ غلطی نہ ہوتی۔

اب ان صاحب کو کون بتلائے کہ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ اس روایت کو دیکھ رہے

ہیں بلکہ روایت بھی کررہے ہیں اوران سب کے باوجود بھی وہ یہی خلاصہ کررہے ہیں کہ یہ لشکر بھی وہی لشکر ہے جس میں یزید بن معاویہ شریک تھے اوران کی معیت میں منذر بن الزبیر نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا۔

بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ جن کے بعض اقوال یزید کی مذمت میں بڑے زوروشور سے پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی صراحت کرتے ہیں کہ منذر بن الزبیر نے یزید بن معاویہ کے ساتھ قسطنطنیہ پر حملہ کیا۔

تیسرا شبہہ : (مغفرت کا وعدہ بہت سارے اعمال پر ہے)

ایک صاحب نے یزید کو جیش مغفور کی بشارت سے محروم کرنے کے لئے انتہائی بھونڈی اور بھدی بات کہہ ڈالی اور وہ یہ کہ اس حدیث میں مغفرت کی بات ایسے ہی ہے جیسے بہت سارے اعمال پر مغفرت کی بشارت ہے مثلاً:

جو سنت کے مطابق وضوء کر کے مسجد میں نماز کے لئے آئے اس کے لئے مغفرت کی بات کہی گئی ہے۔

اسی طرح حج کرنے والے کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ جس نے حج کیا اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔تو ان احادیث کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ہر حاجی جنتی ہے یا ہر نمازی جنتی ہے۔

عرض ہے کہ یہ پر جہالت بکواس ایسے ہی ہے، جیسے کوئی خلفاء راشدین ابوبکر وعمر فاروق وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم اور بقیہ عشرہ مبشرہ والے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بشارت جنت کے بارے میں یہ بکواس کرے کہ ان سے متعلق بشارت والی احادیث ایسے ہی ہیں جیسے اور بھی کئی دیگر اعمال پر جنت کی بشارت دی گئی ہے مثلاً:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

حدثني محمد بن حاتم بن ميمون، حدثنا عبد الرحمن بن مهدى، حدثنا معاوية بن صالح، عن ربيعة يعنى ابن يزيد، عن أبى إدريس الخولانى، عن عقبة بن عامر. ح، وحدثنى أبو عثمان، عن جبير بن نفير، عن عقبة بن عامر، قال: كانت علينا رعاية الإبل فجاء ت نوبتى فروحتها بعشى فأدركت رسول الله ﷺ قائما يحدث الناس فأدركت من قوله: ما من مسلم يتوضأ فيحسن وضوء ه

ثم يقوم فيصلى ركعتين، مقبل عليهما بقلبه ووجهه، إلا وجبت له الجنة.

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ ہمارے اوپر اونٹوں کا چرانا لازم تھا پس جب میری باری آئی تو میں اونٹوں کو شام کو واپس لے کر لوٹا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوئے لوگوں کے سامنے باتیں کرتے ہوئے پایا میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں سے یہ بات معلوم کی کہ جو مسلمان وضو کرے پس اچھی طرح ہو اس کا وضو اور پھر کھڑا ہو پس دو رکعتیں نماز ادا کرے اس طرح کہ اپنے دل اور چہرہ سے پوری توجہ کرنے والا ہو تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔[صحيح مسلم : ١/ ٢٠٩ ،رقم : ٢٣٤]۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفى:٢٥٦) نے کہا:

حَدَّثَنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، مَوْلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلَّا الجَنَّةُ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو امام مالک نے خبر دی، انہیں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے غلام سمی نے خبر دی، انہیں ابوصالح سمان نے خبر دی اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے **اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔**[صحيح البخاري: ٣/ ٢ ،رقم:١٧٧٣]۔

امام بخاری رحمہ اللہ (المتوفى:٢٥٦) نے کہا:

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَلَّى البَرْدَيْنِ دَخَلَ الجَنَّةَ،

ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابو جمرہ نے بیان کیا، ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جس نے ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں (وقت پر) پڑھیں (فجر اور عصر) **تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔**[صحيح البخاري:۔ ۱۱۹/۱ ،رقم:۵۷٤]۔

اب ان روایات کی بنیاد پر کوئی خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی بشارت کا انکار کردے اور یہ کہے کہ ان کے لئے جنت کی بشارت ایسے ہی ہے جیسے دیگر احادیث میں حاجی اور نمازی کے لئے جنت کی بشارت ہے، تو بھلا بتلایئے ایسے شخص کی جہالت میں کیا شک وشبہہ رہ جاتا ہے۔

یہ منفرد شخصیات کی مثال ہوئی اجتماعی بشارت کی مثال میں اہل بدر واہل حدیبیہ کی بشارت کو لیجئے، ان تمام صحابہ کرام کو جو بدر وحدیبیہ میں شریک ہوئے تھے ان کے لئے مغفرت کی بشارت ہے چنانچہ:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲٦۱) نے کہا:

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا ليث، ح وحدثنا محمد بن رمح، أخبرنا الليث، عن أبي الزبير، عن جابر، أن عبدا لحاطب جاء رسول الله صلى الله عليه وسلم يشكو حاطبا فقال: يا رسول الله ليدخلن حاطب النار، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كذبت لا يدخلها، فإنه شهد بدرا والحديبية.

صحابی رسول جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا ایک غلام رسول اللہ کی خدمت میں حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول حاطب تو جہنم میں داخل ہو جائے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے غلط کہا وہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے۔[صحيح مسلم : ۱۹٤۲/۳، رقم:۲٤۹۵]۔

اسی طرح صحیح بخاری کی روایت کے مطابق عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب حاطب رضی اللہ عنہ کی جاسوسی پر انہیں قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وما يدريک لعل الله أن يكون قد اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.

تمہیں کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے معاملات پر آگاہ ہوا اور اس کے بعد کہا: تم کیسا بھی عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔[صحيح البخاری:۔ ٤/ ٦٠،رقم:٣٠٠٧]۔

اب کوئی یہ بکواس کرے کہ اہل بدر کی مغفرت کی بات ایسے ہی ہے جیسے بہت سارے اعمال پر مغفرت کی بشارت ہے، تو بھلا بتلایئے جہالت کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

دراصل اس طرح کی بات کہنے والا عمل سے متعلق بشارت اور شخصیت و جماعت سے متعلق بشارت کے فرق کو نہیں سمجھ پا رہا ہے اور دونوں کو خلط ملط کر رہا ہے۔

دراصل قران وحدیث میں بشارتیں دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی بشارت کا تعلق مخصوص اعمال سے ہے اور دوسری قسم کی بشارت کا تعلق مخصوص افراد یا جماعت سے ہے۔ پہلی قسم کی بشارت کا مقصد مخصوص اعمال کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے اور دوسری قسم کی بشارت کا مقصد مخصوص افراد یا جماعت کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے۔

بشارت کی پہلی قسم میں جن مخصوص اعمال سے متعلق بشارت ہوتی ہے ان اعمال کا تعلق کسی خاص شخصیت یا جماعت یا کسی خاص علاقہ یا کسی خاص زمانہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام لوگوں کے لئے اس پر عمل ممکن ہوتا ہے۔ جو بھی ان اعمال کے تقاضوں کو پورا کرے گا وہ اس بشارت کا مستحق ہوگا اور اس استحقاق کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کس نے کما حقہ ان اعمال کو انجام دیا ہے اور کون اس کا مستحق ہے۔ الغرض یہ کہ یہ بشارت اعمال سے متعلق ہوتی ہے اور اس کا مقصد اعمال کی فضیلت بتلانا ہوتا ہے۔ جیسے حج کی فضیلت، اور نماز وروزے وغیرہ کی فضیلت۔

لیکن بشارت کی دوسری قسم جس میں مخصوص افراد یا جماعت سے متعلق بشارت ہوتی ہے وہ صرف خاص افراد اور خاص جماعت ہی کے لئے ہوتی ہے، اسی طرح وہ خاص زمانہ اور خاص علاقہ ہی کے لئے ہوتی ہے۔اس بشارت میں خاص زمانہ اور خاص علاقہ کے خاص افراد یا خاص جماعت کو متعین کر دیا جاتا ہے۔جیسے خلفاء راشدین اور عشرۂ مبشرہ سے متعلق بشارت یا اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ سے متعلق بشارت۔وغیرہ۔

پہلی قسم کی بشارت میں اعمال کی فضیلت طے ہوتی ہے لیکن افراد متعین نہیں ہوتے اس لئے ہر فرد کو اس کا مستحق نہیں کہا جا سکتا ہے۔

لیکن دوسری قسم کی بشارت میں افراد ہی کو متعین کر دیا جاتا ہے اس لئے جن افراد کو متعین کر دیا گیا ان کا اس بشارت سے خارج ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پہلی قسم کی بشارت میں جن اعمال کی فضیلت بتائی جاتی ہے ان اعمال کی پوری حقیقت سے اللہ اچھی طرح واقف ہوتا ہے اسی لئے ناممکن ہے کہ یہ اعمال کسی زمانہ کسی بھی دور میں اپنی حقیقت کھو بیٹھیں۔

دوسری قسم کی بشارت میں جن افراد یا جماعت کی فضیلت بتائی جاتی ہے ان افراد یا جماعت کی حقیقت اور ان کی پوری زندگی کے کارناموں سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح واقف ہوتا ہے اس لئے ناممکن ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی ایسی برائی جڑ جائے جو انہیں اس بشارت سے محروم کر دے کیونکہ ایسی صورت میں اللہ کے علم میں نقص لازم آئے گا جو ناممکن ہے۔

پہلی قسم کی بشارت میں شرط کی صورت میں فضیلت بیان ہوتی ہے لہٰذا جب شرط پائی جائے گی تبھی فضیلت حاصل ہوگی۔

اور دوسری قسم کی بشارت میں خبر کی صورت میں فضیلت بیان ہوتی ہے۔اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی۔

پہلی قسم کی بشارت میں شرطیہ بات ہوتی ہے جبکہ دوسری قسم کی بشارت میں خبر ہوتی ہے۔یہ

فرق سمجھنا بہت ضروری ہے۔اسی فرق کی وجہ سے پہلی قسم کی بشارت میں عمل کرنے والوں کے لئے مغفرت کا مطلب قطعی طور سے جنتی نہیں ہوتا ہے کیوں کہ شرط کی تکمیل ٹھیک طرح سے ہوئی یا نہیں اس کا علم ہمیں نہیں ہوتا۔لیکن دوسری قسم کی بشارت میں مغفرت کا مطلب قطعی طور پر جنتی ہوتا ہے کیونکہ اس میں اللہ کی طرف سے خبر ہوتی ہے جو مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے۔

بشارت کی ان دونوں قسموں کو اچھی طرح واضح کرنے کے بعد عرض ہے کہ حدیث قسطنطنیہ میں جو بشارت دی گئی ہے وہ دوسری قسم میں سے ہے۔

یعنی اس بشارت کا تعلق مخصوص افراد و جماعت سے ہے۔اس کا مقصد مخصوص افراد اور جماعت کی فضیلت بتانا ہے۔اس کا تعلق خاص علاقہ اور خاص زمانہ اور خاص افراد و جماعت سے ہے۔اس میں افراد و جماعت کا تعین کر دیا گیا ہے۔اس میں بتائے گئے افراد کی پوری حقیقت اللہ کے علم میں ہے۔اس میں خبر ہے جو کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتی اس لئے یہ مغفرت کی قطعیت پر یعنی ان افراد کے جنتی ہونے پر دلالت کرتی ہے۔جیسے اہل بدر کی مغفرت کا معاملہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

والجيش عدد معين لا مطلق

جیش (لشکر) یہ معین اور خاص عدد ہے یہ مطلق اور عام نہیں ہے۔[منهاج السنة :٤/٥٧٢]

اس وضاحت سے بعض لوگوں کی اس بات کی بھی تردید ہوگئی جو یہ کہتے ہیں یہاں یزید کی مغفرت مان بھی لیں تو صغائر کی مغفرت ہے کبائر کی نہیں کیونکہ علماء نے مغفرت کی احادیث سے متعلق صغائر کی مغفرت ہی کی بات کہی ہے۔

عرض ہے کہ صغائر و کبائر کی جو بحث ہے وہ پہلی قسم کی بشارت سے متعلق ہے یعنی جن آیات واحادیث میں مخصوص اعمال پر مغفرت کی بات ہے اس سے متعلق بعض علماء نے صغائر و کبائر کی بحث کی ہے لیکن جن آیات واحادیث میں بشارت کی دوسری قسم ہے یعنی مخصوص افراد اور جماعت کی مغفرت کی بات ہے وہاں علماء نے صغائر و کبار کی بحث نہیں کی ہے۔بلکہ یہاں بالاتفاق کلی

مغفرت یعنی جنتی ہونا مراد ہے جیسے اہل بدر کا معاملہ ہے۔

صحیح بخاری ہی میں ایسی بہت ساری احادیث ہیں جن میں کسی خاص شخص کے لئے اللہ نے مغفرت کی بات کہی ہے اور اس سے کلی مغفرت یعنی اس کا جنتی ہونا ہی مراد ہے مثلاً (بخاری حدیث نمبر: ۳۴۷۰) میں سو قتل کرنے والے شخص کا جو واقعہ بیان ہے جسے اللہ نے معاف کر دیا اس کے لئے " **فغفر له** " کے الفاظ ہیں لیکن اس کا مطلب کلی مغفرت ہی اور جنتی ہونا ہی ہے۔

معلوم ہوا کہ جب افراد اور جماعت کے لئے مغفرت کی بات ہو تو اس سے کلی مغفرت ہی مراد ہوتی ہے اہل بدر کے لئے بھی " **فقد غفرت لکم** " ہی کے الفاظ ہیں لیکن یہاں کلی مغفرت ہی مراد ہے۔کوئی احمق ہی ہوگا جو یہ کہے کہ اہل بدر کی مغفرت سے مراد صرف صغائر کی مغفرت مراد ہے۔

واضح رہے کہ پہلی قسم کی بشارت سے متعلق بھی یہ کہنا محل نظر ہے کہ ان اعمال سے صرف صغائر معاف ہوں گے ہماری نظر میں اس قسم کی بشارت سے متعلق جب نصوص میں کوئی تفریق نہیں ہے تو ہمیں بھی کوئی تفریق نہیں کرنی چاہئے اور معاملہ اللہ پر چھوڑ دینا چاہئے اللہ چاہے تو صغائر بھی معاف کرسکتا ہے اور کبائر بھی معاف کرسکتا ہے۔علامہ البانی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ دیکھیں: صحیح الترغیب للالبانی: ج ا ص ۲۶۴، مکتبہ المعارف۔

نیز علی الاطلاق یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ حقوق العباد والے گناہ ازخود معاف نہیں کرسکتا کیونکہ ابھی ہم نے بخاری کی حدیث کا حوالہ دیا کہ بنواسرائیل کے ایک شخص نے سو قتل کئے تھے لیکن اللہ نے ازخود اسے معاف کر دیا حالانکہ سو لوگوں کا قتل واضح طور پر حقوق العباد سے جڑا گناہ ہے۔

بہرحال چونکہ جیش مغفور کی بشارت اس قسم سے ہے ہی نہیں اس لئے ہم اس سلسلے میں تفصیل پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تفصیل کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب " ماہ رمضان اور سنن و بدعات " کی طرف مراجعت فرمائیں۔

چوتھا شبہہ: (جبراً اور بغیر صحیح نیت کے یزید کی شرکت)

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جیش مغفور میں یزید کی شرکت صحیح نیت سے نہیں ہوئی تھی بلکہ ان کے والد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جبراً انہیں اس لشکر میں شرکت پر مجبور کیا تھا۔لہٰذا جب نیت ہی صحیح نہیں ہے تو کوئی بھی عمل بے کار ہے۔

عرض ہے کہ:

اولاً:-

یہ بات جس روایت کی بنیاد پر کہی جاتی ہے وہ جھوٹی اور من گھڑت ہے اور یزید بن معاویہ پر سبائی تہمت ہے ذیل میں ہم اس روایت کی استنادی حیثیت واضح کرتے ہیں۔

اس روایت کی سند ذکر کرتے ہوئے امام أحمد بن یحییٰ، البلاذری (المتوفی:۲۷۹) نے کہا:

حدثنی أبو مسعود الکوفی عن عوانة عن أبیه قال: أغزی معاویة الناس فی سنة خمسین وعلیهم سفیان بن عوف وأمر یزید بالغزو فتثاقل واعتل فأمسک عنه، وأصاب الناس فی غزاتهم جوع وأمراض، فأنشأ یزید یقول:ما إن أبالی بما لاقت جموعهم ...بالقرقذونة من جوع ومن موم...إذا اتکأت علی الأنماط فی غرف... بدیر مران عندی أم کلثوم... وأم کلثوم امرأته، وهی بنت عبد الله بن عامر بن کریز، فبلغ معاویة شعره، فأقسم علیه لیلحقن بسفیان فی أرض الروم لیصیبه ما أصاب الناس ولو مات، فلحق به ...

معاویہ نے ۵۰ ہجری میں لشکر کشی کی اور لوگوں کا امیر سفیان بن عوف کو بنایا اور یزید کو حکم دیا کہ وہ بھی ان میں شامل ہو۔لیکن یزید نے ٹال مٹول کیا اور شامل نہیں ہوا۔اس غزوہ میں لوگوں کو بھوک اور بیماریاں لاحق ہوئیں تو یزید نے کہا: مجھے کوئی فکر نہیں کہ لوگ مقام قرقذونہ میں بھوک

اور بیماریوں سے مرررہے ہیں ،جبکہ میں دیرمران کے کمروں میں تکیہ لگائے آرام فرما ہوں اور میرے پاس ام کلثوم بھی ہے۔ام کلثوم یزید کی بیوی تھی اور یہ بنت عبداللہ بن عامر بن کریز تھی۔پھر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کے ان اشعار کا پتہ چلا تو انہوں نے قسم کھایا کہ وہ یزید کو بھی روم میں اسی جگہ بھیج دیں گے تا کہ جو تکالیف دوسرے مسلمانوں کو لاحق ہوئی ہیں وہ اسے بھی لاحق ہوں خواہ یہ مرہی کیوں نہ جائے۔ پھر (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جبر کے بعد) یزید بھی اس فوج سے جاملا۔۔۔[أنساب الأشراف للبلاذری:۸۶/۵]۔

یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔اس کی سند کا کوئی ایک راوی بھی ٹھیک نہیں ہے۔

الف: ''ابومسعود ابن لقتات الکوفی'' کا ترجمہ کہیں نہیں ملتا یہ مجہول اور نامعلوم شخص ہے۔

ب: ''عوانہ بن الحکم'' بھی مختلف فیہ ہے بعض نے تو اسے متہم بھی کہا ہے [الاعلام للزرکلی:۹۳/۵]

ج: عوانہ کا باپ یعنی ''حکم بن عوانہ'' بھی نامعلوم شخص ہے۔

لہٰذا یہ روایت خودساختہ اور من گھڑت ہے۔

أبوالفرج الأصفہانی (المتوفی:۳۶۵) نے اس روایت کی ایک دوسری سند پیش کرتے ہوئے کہا:

أخبرني علي بن سليمان الأخفش قال حدثني السكري والمبرد عن دماذ أبي غسان واسمه رفيع بن سلمة عن أبي عبيدة أن معاوية... [الأغانی ابی الفرج الأصبهانی : ۲۱۱/۱۷]۔

یہ سند بھی سخت ضعیف بلکہ باطل ہے۔

''دماذ رفیع بن سلمہ عبدی'' بہت ہی بدزبان شاعر تھا۔

یاقوت الحموی (المتوفی:۔۶۲۶) نے کہا:

وكان شاعرا هجّاء خبيث اللسان.

یہ لوگوں کی برائیاں بیان کرنے والا اوراور بدزبان تھا۔[إرشاد الأريب : ۱۳۰۷/۳]۔
نیز ابوعبیدہ کی پیدائش ۱۱۰ ہجری میں ہوئی ہے۔[سير أعلام النبلاء ط الرسالة : ـ ۴۴۵/۹]۔ اور قسطنطنیہ پر حملہ کا واقعہ ۵۲ ہجری کا ہے۔ درمیان میں ۵۸ سال کا فاصلہ ہے معلوم ہوا ابوعبیدہ نے یہ بات کسی مجہول شخص کے واسطہ سے بیان کی ہے، اس مجہول شخص کا حال تو دور کی بات اس کا نام تک معلوم نہیں۔

امام ابن عساکر نے اسے ایک تیسری سند سے روایت کرتے ہوئے کہا:

أنبأنا أبو الفرج غيث بن على أنا أبو بكر الخطيب أنا أبو نعيم الحافظ ثنا سليمان بن أحمد نا محمد بن موسى بن حماد البربرى نا يعقوب بن إبراهيم نا عمى على بن صالح عن ابن داب قال : بعث معاوية جيشا إلى الروم فنزلوا منزلا يقال له الفرقدونة فأصابهم بها الموت وغلاء شديد فكبر ذلك على معاوية فاطلع يوما على ابنه يزيد وهو يشرب

محمد بن داب بیان کرتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ روم کی طرف فوج بھیجی تو یہ لوگ فرقدونہ نامی علاقہ میں ٹھہرے اورانہیں بیماریوں اور بھک مری کا سامنا کرنا پڑا، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑا دکھ پہنچا۔ پھر ایک دن ان کی نگاہ ان کے بیٹے یزید پر پڑی جو شراب پی رہا تھا۔(آگے روایت میں ہے کہ پھر یزید کو بھی فوج کے پاس بھیج دیا)[تاريخ دمشق لابن عساكر: ۴۰۵/۶۵]۔

یہ روایت جھوٹی اسے بیان کرنے والا ''محمد بن داب'' کذاب اور بہت بڑا جھوٹا شخص ہے۔

امام أبوزرعۃ الرازی رحمہ اللہ (المتوفی ۲۶۴) نے کہا:

كان يكذب

یہ جھوٹ بولتا تھا[الجرح والتعديل لابن أبى حاتم: ۲۵۰/۷]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (المتوفی ۸۵۲) نے کہا:

كذبه أبو زرعة

امام ابوزرعہ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے[تقريب التهذيب لابن حجر :رقم ٥٨٦٦]
اس کے علاوہ سند میں اور بھی خرابیاں ہیں۔

ثانیاً:-

اگر لشکر قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت صحیح نیت سے نہ ہوئی ہوتی تو جیش مغفور میں اس کا استثناء کردیا جاتا کیونکہ جیش مغفور والی حدیث میں مغفرت کا وعدہ نہیں بلکہ مغفرت کی خبر ہے یعنی یہ بشارت کی دوسری قسم ہے جس کی تفصیل اس سے قبل پیش کی جاچکی ہے۔

لہٰذا جب اس لشکر کی مغفرت کی خبر دے دی گئی تو یہ بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس لشکر میں سب کی نیت خالص تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جن کی نیت بھی خالص نہ ہوتی ان کا استثناء کردیا جاتا اور مغفرت کی خبر میں انہیں شامل نہ کیا جاتا۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں ایک خاص جماعت کے لئے مغفرت کی بشارت ہے لیکن چونکہ اس جماعت میں ایک شخص مغفرت کا مستحق نہیں تھا کیونکہ وہ صحیح نیت والا نہیں تھا۔ بعض محدثین کے بقول وہ منافق تھا اس لئے اسی حدیث کے اندر ہی اس شخص کا استثناء بھی ذکر کردیا گیا چنانچہ:

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی:۲۶۱) نے کہا:

حدثنا عبيد الله بن معاذ العنبري، حدثنا أبي، حدثنا قرة بن خالد، عن أبي الزبير، عن جابر بن عبد الله، قال: قال رسول الله ﷺ: من يصعد الثنية، ثنية المرار، فإنه يحط عنه ما حط عن بني إسرائيل قال: فكان أول من صعدها خيلنا، خيل بني الخزرج، ثم تتام الناس، فقال رسول الله ﷺ: وكلكم مغفور له، إلا صاحب الجمل الأحمر فأتيناه فقلنا له: تعال، يستغفر لك رسول الله ﷺ، فقال: والله لأن أجد ضالتي أحب إلي من أن يستغفر لي صاحبكم، قال وكان رجل ينشد ضالة له،

صحابی رسول جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ثنیہ المرار گھاٹی پر چڑھے گا اس کے گناہ اس سے اسی طرح ختم ہو جائیں گے جس طرح بنی اسرائیل سے ان کے گناہ ختم ہوئے تھے پس سب سے پہلے اس پر چڑھنے والا ہمارا شہسوار یعنی بنو خزرج کے گھوڑے چڑھے پھر دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب کے سب بخش دیے گئے ہو سوائے سرخ اونٹ والے آدمی کے ہم اس کے پاس گئے اور اس سے کہا چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے لئے مغفرت طلب کریں گے اس نے کہا اللہ کی قسم! اگر میں اپنی گمشدہ چیز کو حاصل کروں تو یہ میرے نزدیک تمہارے ساتھی کی میرے لئے مغفرت مانگنے سے زیادہ پسندیدہ ہے اور وہ آدمی اپنی گمشدہ چیز تلاش کر رہا تھا۔[مسلم :۳ / ۲۱۴٤ ،رقم: ۲۷۸۰]۔

اس حدیث میں غور کیجئے کہ ایک خاص جماعت سے متعلق مغفرت کی بشارت دینے کے ساتھ ساتھ ایک شخص کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کیونکہ وہ مغفرت کا اہل نہیں تھا اس لئے اس خبر میں اس کی مغفرت کو شامل نہیں کیا گیا۔

لیکن جیش مغفور میں کسی بھی شخص کا استثناء نہیں ہے بلکہ بالعموم سب کے لئے مغفرت کی خبر ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس جماعت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اس لشکر میں شرکت کرنے والے سارے لوگوں کی نیت خالص تھی۔

پانچواں شبہہ: (بعد کی بداعمالیوں کے سبب یزید کا استثناء)

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جیش مغفور کی بشارتِ مغفرت میں شامل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مغفرت کی شرط بھی پائی جائے۔یعنی آدمی مغفرت کے قابل ہو۔لیکن اگر کسی نے اس لشکر میں شرکت کی اور بعد میں مرتد ہو گیا یا مغفرت کے منافی امور انجام دئے تو وہ اس بشارت سے محروم ہو جائے گا۔اور یزید نے بعد میں بہت سارے جرائم کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو اس بشارت سے محروم کر دیا ہے۔

عرض ہے کہ اس غلط فہمی کی بنیاد بھی یہی ہے کہ جیش مغفور کی بشارت کو پہلی قسم کی بشارت مانی

جارہی ہے جس میں افراد یا جماعت کا تعین نہیں ہوتا ہے، حالانکہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ یہ دوسری قسم کی بشارت ہے جس میں افراد و جماعت کا تعین کر دیا گیا ہے۔

اور اس قسم کی بشارت میں خاص افراد یا جماعت کی مغفرت کی خبر ہوتی ہے جو مغفرت کی قطعیت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ یہ بشارت اللہ کی طرف سے خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان افراد و جماعت کے ماضی و مستقبل کا پورا حال معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سابقہ اور مستقبل کے اعمال پر مطلع ہونے کی وجہ سے بشارت دی ہے۔

اگر ان لوگوں میں سے کوئی بھی بعد میں مرتد ہونے والا تھا یا مغفرت کے منافی امور انجام دینے والا تھا تو یہ بات اللہ کے علم سے باہر نہیں ہوتی اور اللہ کی طرف سے زبان رسالت سے ان لوگوں کا استثناء ہو جاتا۔ جیسا کہ ماقبل میں صحیح مسلم کے حوالہ سے اس طرح کے استثناء کی ایک مثال پیش کی گئی ہے۔

لیکن جیش مغفور میں کسی بھی شخص کا استثناء نہیں ہے بلکہ بالعموم سب کے لئے مغفرت کی خبر ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس جماعت سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے ورنہ بغیر استثناء کے سارے لوگوں کے لئے مغفرت کی خبر نہ دی جاتی۔

یاد رہے جیش مغفور میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مغفرت کی خبر ہے اس لئے استثنائی دلیل بھی ایسی ہی ہونی چاہئے جس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عدم مغفرت کی خبر ہو۔ کیونکہ خبر دینے والا ہی استثناء کا حق رکھتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ تاریخی کتب سے امتیوں کی باتیں، وہ بھی عدم مغفرت کی نہیں بلکہ گناہوں کی فہرست، اور وہ بھی جھوٹی اور من گھڑت، پیش کر کے یہ کہتے ہیں ان کی بنیاد پر یزید اس بشارت سے خارج ہے وہ بہت بڑی حماقت اور جہالت میں ہیں۔

کیونکہ:

اولاً: یہ امتیوں کی باتیں ہیں اور امتی کی بات سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات میں

استثناء نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: یہ باتیں بھی عدم مغفرت کی خبر نہیں بلکہ محض چند برے اعمال کی فہرست ہوتی ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ کہاں مغفرت کی خبر اور کہاں گناہوں کی فہرست۔ بھلا ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔

ثالثاً: یہ باتیں سچے انسانوں کی بھی نہیں ہیں بلکہ دشمنان اسلام کی من گھڑت اور خودساختہ ہیں۔

لہٰذا اس طرح کی باتیں پیش کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ یزید جیش مغفور کی بشارت سے مستثنیٰ ہے ہماری نظر میں نری جہالت اور بہت بڑی حماقت ہے۔

اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اصحاب بدر میں سے کسی بدری صحابی سے متعلق تاریخ سے جھوٹی باتیں اکٹھا کر کے یہ کہنے لگ جائے کہ یہ بدری صحابی اصحاب بدر سے متعلق مغفرت کی بشارت سے مستثنیٰ ہیں۔

یادرہے کہ بعض بدری صحابہ سے متعلق تاریخ میں جھوٹی باتیں درج ہیں جن کے سہارے روافض ان کی توہین کرتے ہیں اور ان کے جنتی ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

یہاں پر ہم یہی کہیں گے کہ یہ ساری باتیں جھوٹی اور من گھڑت ہیں اور جو کچھ بھی ہیں انسانوں کی بیان کردہ باتیں ہیں جن کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دی گئی خبر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

نیز اگر ان باتوں میں کچھ باتیں ثابت بھی ہوجائیں تو بھی ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے مغفرت کی خبر نہیں جھٹلا سکتے کیونکہ اللہ نے جب ان کی مغفرت کی خبر دی ہے تو ظاہر ہے کہ اللہ نے یہ خبر ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام اعمال جاننے کے بعد ہی دی ہے۔ لہٰذا ان باتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ کو پہلے سے ہی معلوم تھیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ ان کی مغفرت کی خبر دے دی ہے۔

چنانچہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی ہیں، بدر کے ایک عرصہ کے بعد انہوں نے جاسوسی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خفیہ راز سے مشرکین کو آگاہ کردیا۔اس پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں منافق کہا اور ان کی گردن مارنے کی اجازت طلب کی لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

إنه قد شهد بدرا، وما يدريك لعل الله أن يكون قد اطلع على أهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم.

انہوں نے بدر میں شرکت کی ہے اور تمہیں کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے معاملات پر آگاہ ہوا اوراس کے بعد کہا: تم کیسا بھی عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی ہے۔[صحيح البخاری : ٤/ ٦٠، رقم:٣٠٠٧]۔

ٹھیک اسی طرح جیش مغفور میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے بارے میں بھی ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ماضی اور مستقبل کے تمام کارناموں پر مطلع ہوکر مغفرت کی خبر دی ہے اس لئے اگر یزید کی سیرت میں بالفرض کچھ غیر مناسب باتیں مل بھی جائیں تو بھی ہم یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے اس کا علم تھا اس کے باوجود بھی اللہ نے اس گروہ کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے۔لہٰذا اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ یزید کو اس عمومی مغفرت سے باہر نکالنے کی جرأت کرے۔وہ بھی جھوٹی اور من گھڑت باتوں کا سہارا لے کر۔

خلاصہ یہ کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسطنطنیہ پر سب سے پہلے حملہ کرنے والے لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت دی ہے اور یزید بن معاویہ نہ صرف یہ کہ اس لشکر میں شریک تھے بلکہ اس کے امیر بھی تھے لہٰذا فرمان رسول ﷺ کے مطابق وہ مغفور اور بخشش یافتہ ہیں۔